© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

تحقیقی وتوفیقی مطالعہ (حصہ جدلیات)

چوبیسویں قسط

پروفیسر ظفر احمد

فتنۂ انکار حدیث تشقیق جدلی کی زد میں

پہلا حصہ:۔ حجّیتِ حدیث (گزشتہ سے پیوستہ)

۴: بیان قرآن: (الف) بہ حوالہ: ''بیان قرآن کی ضرورت''

۱۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے بیان قرآن (قرآن کی تشریح وتوضیح) کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ ضرورت نہیں تو اس کی بھرپور نفی خود قرآن کریم سے ہو رہی ہے۔ جب حضرت جبرئیلؑ وحی لے کر آتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے یاد کرنے کے لئے کلمات وحی کو جلد جلد دہرانے لگتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ O اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ O فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ O ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ O (ا/لف) ''(اے پیغمبر!) تو اس (وحی) کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے کہ تو اسے جلدی یاد کر لے۔ بلاشبہ اس کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اسے (فرشتے کی زبانی) پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ رہ۔ پھر بلاشبہ اس کو کھول کر بیان کرنا (بھی) ہمارے ذمے ہے''۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے الفاظ ومعانی دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ قرآن کریم کو پڑھنے اور سننے کا تعلق الفاظ سے ہے۔ معانی سے نہیں۔ معانی نہ پڑھنے کی چیز ہیں اور نہ ہی سننے کی۔ قرآنی کلمات والفاظ کی حفاظت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کے معانی ومفاہمت (بیان) کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے۔ کیوں کہ اگر بیان قرآن محفوظ نہ ہو اور قرآن فہمی اس پر موقوف ہو تو قرآن کا محفوظ ہونا بھی قطعاً بے مقصد اور بے معنیٰ ہوگا۔ یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان قرآن سے صرف الفاظ قرآنی کو دہرائے جانا مراد نہیں، کیوں کہ الفاظ کے دہرانے اور سنانے کو بیان نہیں بل کہ قرأت کہا جاتا ہے، جس کی حفاظت کی ذمے داری پہلے علیحدہ بیان کردی گئی ہے۔ بیان کا مطلب کسی مجمل و مختصر کلام کی تشریح ہے کہ جو چیز وضاحت کے بغیر معلوم نہ ہوسکے اسے دوسروں پر کھول دیا جائے۔ یا کلام میں اجمال وابہام ہو یا کوئی بات غیر معلوم اور غیر مذکور ہو تو اسے واضح کردیا جائے۔ پس بیان کا لفظ قرآن کریم کے معانی و مطالب کے لئے لایا گیا ہے۔ جب قرآن محفوظ ہے تو بیان قرآن بھی محفوظ ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال افعال اور تقریرات (سنت) سے لوگوں تک پہنچایا ہے۔ بس سنت وحدیث کا انکار دراصل قرآن کریم کا بھی انکار ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار بل کہ اس کا مذاق اڑانے کے ساتھ قرآن پر ایمان کا دعویٰ سفید جھوٹ ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں مذکور مجمل احکام اور مشکل مضامین کی توضیح و تشریح اور قرآن پر زائد احکام و مضامین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر و بیشتر غیر قرآنی وحی کے ذریعے مطلع کیا گیا۔ قرآن سارے کا سارا آپ کو وحی ملکی (فرشتے کے ذریعے وحی) سے حاصل ہوا۔ سورۂ بقرہ میں وحی کے فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے متعلق ارشاد ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (ا/ب) ''تو بے شک اس (جبرئیلؑ) نے اس (قرآن) کو تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے'' سورۂ شوریٰ میں ہے: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (ا/ج) ''اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ (اے پیغمبر:) اسے امانت دار فرشتہ لے کر تیرے دل پر اترا ہے، تاکہ تو (لوگوں کو) آگاہ کرنے والوں میں سے ہو جائے''۔ ادھر سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ پیغمبر پر وحی کا نزول صرف فرشتے کے ذریعے ہی نہیں ہوتا بل کہ فرشتہ بھیجے بغیر یعنی غیر ملکی وحی کا بھی نزول ہوا کرتا ہے۔ چناں چہ نزول وحی کی تین صورتوں کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ o (۲/الف) ''اور کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام رساں (فرشتے) کو بھیجے تو وہ اس (اللہ) کے حکم سے جو چاہے (پیغمبر پر) وحی کرے۔ بے شک وہ (اللہ) نہایت برتر (اور) حکمت والا ہے''۔ پیغمبر سے اللہ تعالیٰ کے مکالمے و مخاطبے کی پہلی صورت اس آیت میں ''وحی'' بیان کی گئی ہے یعنی فرشتے کے توسط کے بغیر کوئی بات پیغمبر کے دل میں ڈال دی جائے، یا خواب میں بتادی جائے اور پیغمبر کو یہ یقین کامل ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ پس وحی کی یہ صورت وحی غیر ملکی (فرشتہ بھیجے بغیر وحی) کی ہے کیوں کہ فرشتہ بھیج کر وحی نازل کرنے کی صورت یعنی وحی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکی کو آیت کے آخر میں کلمات او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء لاکر الگ بیان کیا گیا ہے۔

نزول وحی کی تیسری صورت آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ پیغمبر سے پس پردہ بہ راہ راست کلام کرے۔ اس طرح کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کے موقع پر ہوا۔ قبل ازیں اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم سارے کا سارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ملکی کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ پس اس آیت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ قرآنی وحی تو خالصتاً وحی ملکی ہے تو جو وحی آپ کو فرشتے کے بغیر یعنی غیر ملکی وحی حاصل ہوئی یہ یقیناً غیر قرآنی وحی ہے۔ اسی کو سورۂ شوریٰ کی مذکورہ آیت کے ابتدائی کلمات میں ''الا وحیا'' کے کلمات سے ظاہر کیا گیا ہے جو ''او یرسل رسولا'' یعنی فرشتے کے ذریعے وحی (وحی ملکی) کے مقابل ہے۔ یاد رہے کہ وحی غیر قرآنی کا کچھ حصہ بھی گو آپ کو وحی ملکی کے ذریعے حاصل ہوا ہے لیکن وحی غیر قرآنی کا بہت بڑا حصہ وحی غیر ملکی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر پر وحی نازل کرنے کے سلسلے میں صرف وحی ملکی پر ہی کیوں نہ اکتفا فرمایا اور وحی غیر ملکی کا طریقہ بھی کیوں اختیار فرمایا، اس سوال کا جواب آیت کے آخر میں کلمات انہ علیّ حکیم سے دیا گیا ہے کہ بے شک اللہ نہایت ہی بلند و برتر اور صاحب حکمت ہے۔ اس کے کسی کام پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اس کی ذات لوگوں کے بے ہودہ اعتراضات سے بہت بلند و برتر ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت بھی ہے خواہ اس کا کسی کو علم ہو یا نہ ہو۔ نزول وحی کی چوں کہ ایک ہی صورت نہیں، لہٰذا وحی ملکی اور غیر ملکی کو یک جا نہ کیے جانے پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں۔

۳۔ اکثر و بیشتر غیر قرآنی وحی سے قرآن کریم کے مجملات و مشکلات کی تشریح و توضیح اور قرآن پر زائد احکام و مضامین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں آپؐ سے وعدہ فرمایا تھا کہ قرآن کے ساتھ بیان قرآن بھی ہمارے ذمے ہے۔ پس یہاں یہ تاویل ہرگز کارگر نہیں ہو سکتی کہ قرآن کریم کے مجمل احکام و مضامین کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یا صحابۂ کرامؓ کے مشورے سے فرمائی تھی، اور چوں کہ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا مخلوق کے اچھے کاموں کو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے۔ یہ تاویل اس لیے باطل ہے کہ اسے صحیح سمجھ لینے سے یہ سوال پیدا ہو گا کہ جو غیر قرآنی اور غیر ملکی وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی وہ آخر کس مقصد کے لئے تھی اور اگر یہ وحی محفوظ نہیں رہی تو کدھر گئی؟ جب قرآن فہمی اور قرآن پر عمل اس غیر قرآنی وحی پر موقوف ہے تو اس کے محفوظ نہ رہنے کی صورت میں قرآن کے محفوظ ہونے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اگر قرآن فہمی اس غیر قرآنی وحی پر سرے سے موقوف ہی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے بیان قرآن کا وعدہ ہی اپنے رسول سے کیوں فرمایا تھا اور پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ پر وحی غیر قرآنی اور وحی غیر ملکی کا نزول کیوں فرمایا تھا؟ یہ تاویل اس لیے بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے کہ جو لوگ ما انزل اللہ (جو اللہ نے اتارا) کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں (۲/ب) اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی سورۂ مائدہ میں تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ آپ بھی لوگوں کے درمیان ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کیا کریں اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ساتھ ہی خوب ہوشیار اور چوکنے بھی رہیں کہ کہیں یہ لوگ آپ کو ما انزل اللہ (جو اللہ نے اتارا یعنی وحی) کے کسی حصے سے برگشتہ نہ کردیں۔ (۲/ج) اب اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے مجمل احکام ومضامین کی تشریح وتوضیح صحابہ کرامؓ کے مشورے سے فرمائی تھی اور قرآن میں آپ کو اپنے اصحاب سے مشورے کا حکم دیا گیا ہے (۳/الف) تو نفس مشاورت میں یعنی صرف مشورہ لینے کی حد تک تو آپ کے اس فعل کی قرآنی وحی سے مطابقت ہو جائے گی، لیکن عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت و اخلاق اور فصلِ خصومات وغیرہ کے متعلق اس طریقے سے جو بھی فیصلے کیے جائیں گے۔ تو ان کا ما انزل اللہ (وحی) کے عین مطابق ہونا تب ہی تو معلوم ہو سکے گا جب کہ ما انزل اللہ موجود بھی ہو۔ اگر قرآنی ما انزل اللہ (قرآنی وحی) میں یہ فیصلے موجود ہوتے تو مشورے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔ پس اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ما انزل اللہ (وحی) صرف قرآن تک ہی محدود نہیں ہے بل کہ آپ پر غیر قرآنی وحی کا بھی نزول ہوا کرتا تھا۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ ما انزل اللہ (وحی) خواہ قرآنی ہو یا غیر قرآنی ہو، اس کی موجودگی میں دینی احکام اور امور کو متعین کرنے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، لہٰذا آپ کا اپنے ساتھیوں سے مشورہ لامحالہ دینی احکام کے عملی زندگی میں نفاذ واجرا کی تدابیر اختیار کرنے کے لئے ہوا کرتا تھا نہ کہ مشورے سے ان دینی احکام کا وضع واختراع (گھڑ لینا) مقصود ومطلوب ہوا کرتا تھا۔ ایسا اس لیے بھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی طرف سے دینی مسائل متعین کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ اور سورۂ توبہ میں مشرک قرار دیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں ہے: اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ط (۳/ب) ''کیا ان لوگوں کے لئے (اللہ کے) ایسے شریک بھی ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی وہ باتیں وضع کیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔'' سورۂ توبہ میں عیسائیوں کو مشرک قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج (۳/ج) ''انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اور مسیح بن مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو اللہ سے سوا رب بنالیا۔'' عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو زبان سے خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے کر کھلے عام شرک کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے علما اور مذہبی رہنماؤں، پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کو زبان سے رب نہیں کہتے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے ماسوا اپنا رب بنا رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں میں پوپ اور اس کے ساتھیوں کو تشریعی اختیارات کا مالک سمجھا جاتا ہے کہ پوپ از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے دینی احکام و مسائل متعین کرنے کا مجاز و مختار ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے رب بنانا قرار دیا ہے۔ منکرین حدیث بھی اسی شرک کو قبول کرتے ہیں اور اپنے مفروضہ و مجوزہ حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) کو امت مسلمہ پر بہ طور پوپ یوں مسلط کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مرکز ملت از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے دینی احکام مسائل کو متعین کرنے کا مجاز ہوگا، اور لوگوں پر اس کی تقلید فرض عین ہوگی۔ جب دینی احکام و مسائل کو انفرادی یا اجتماعی سطح پر از خود متعین کرنے کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے تو ایسے شرک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی طرف منسوب کرنا بہتان عظیم ہے۔ منکرین حدیث کوئی جھوٹی روایت بھی پیش نہیں کر سکتے کہ آپ وحی کے بغیر از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے دینی احکام وضع فرمالیا کرتے تھے، مثلاً آپ نے نماز پڑھنے کا طریقہ، نمازوں کی رکعات کی تعداد، زکوٰۃ کی شرح اور اس کا نصاب وغیرہ وغیرہ مسائل کی تعیین از خود یا صحابۂ کرامؓ کے مشورے سے فرمائی تھی۔ جب ایسا کرنا شرک عظیم ہے تو بھلا اللہ تعالیٰ مشرکوں کے مشرکانہ افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے کیسے فرمائے گا کہ اس مشرکانہ طریقے سے قرآن کی جو بھی تشریح و توضیح کرے گا وہ ہماری طرف سے سمجھی جائے۔ مذکورہ بالا بحث سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ وحی قرآنی کے مجمل احکام و مضامین کی توضیح و تشریح اور قرآن پر زائد احکام و مسائل کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انحصار زیادہ تر وحی غیر قرآنی پر تھا، کیوں کہ ہر دو طرح کی وحی کا نزول آپ پر ثابت ہو چکا ہے۔ اسی لیے آپ سے اس طرح کے مضامین کا متعدد مرتبہ اعلان کرایا گیا کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ (۴/الف) آپ سے کہیں بھی اس طرح کا اعلان نہیں کرایا گیا کہ میں تو صرف اور صرف قرآن ہی کی پیروی کرتا ہوں، بل کہ اکثر بیشتر قرآن کی بہ جائے وحی کا مضمون لایا گیا ہے تا کہ قرآنی اور غیر قرآنی، ملکی اور غیر ملکی سب طرح کی وحی اس میں شامل ہو جائے۔

۴۔ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹا اور فریب نفس ہے کہ چوں کہ قرآن کریم ایک مفصل کتاب ہے، لہٰذا اسے سمجھنے کے لئے بہ قول ان کے سنت رسول کو بیان کرنے والی احادیث کی ضرورت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم دیئے اور سمجھائے بغیر مفصل ہے یا آپ کی قولی و فعلی تبیین و توضیح سے مفصل ہوا ہے۔ اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آپ کا معلم و شارح کتاب ہونا (معاذ اللہ) بے کار ہوا کیوں کہ اس صورت میں جو کتاب پہلے ہی اس معنی میں مفصل ہو کہ اسے سمجھنے کے لئے کسی کے سمجھانے [illegible] کے سوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ نہیں۔ حال آں کہ قرآن کریم میں اس مضمون کی آیات جابہ جا ملتی ہیں کہ یہ رسول لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کے اخلاق کو سنوارتا ہے (۴/ب) اگر دوسری شق اختیار کی جائے اور کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و فعلی تعلیم و تشریح کے بعد قرآن مفصل ہوا ہے کہ اس کے مجمل احکام و مضامین واضح ہوئے تو آپ کے قول و فعل یعنی سنّت کا حجت ہونا بہ طریق احسن ثابت ہوگیا۔ لفظ ''مفصّل'' اسم مفعول کا صیغہ کا ہے جس کا معنیٰ ہی یہ ہے ''جس کی تفصیل بیان کی گئی ہو'' اور اسی معنیٰ میں سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنۡزَلَ اِلَيۡكُمُ الۡكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ (۴/ج) ''اور اس نے تمہاری طرف ایک مفصل کتاب اتاری ہے''۔ یعنی قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی تفصیل اور شرح بیان کی گئی ہے۔ یہ تفصیل و تشریح اور تبیین و توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جیسا کہ قبل ازیں سورۂ قیامہ کی متعلقہ آیت کے حوالے سے اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کتاب کی وضاحت آپ پر حسب وعدہ فرمادی تو آپ کا منصبی فریضہ قرار پایا کہ نہ صرف قرآن کریم کو بلکہ اس کی تبیین و توضیح کو بھی آپ لوگوں تک پہنچائیں۔ سورۂ نحل میں ہے: وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ۝ (۵/ الف)۔ ''اور ہم نے (اے پیغمبر!) تیری طرف نصیحت (قرآن) کو اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے خوب کھول کر بیان کردے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ (خود بھی) خوب غور و فکر کریں۔'' اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح قرآن لوگوں پر حجت (واجب التسلیم) ہے بعینہٖ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی تشریح و توضیح (بیان قرآن) بھی حجت ہے۔ آیت کے آخر میں ولعلھم یتفکرون کے کلمات سے مجتہدین کے قیاسِ شرعی کی طرف اشارہ ہے۔ جس چیز کو خوب کھول کر بیان کردیا گیا ہو اس میں کسی غور و فکر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ آیت میں یہاں ''واو'' کو مغائرت (ایک علیحدہ مضمون کو بیان کرنے) کے لئے لایا گیا ہے کہ زندگی کے لائحہ عمل کے لئے جو مسائل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکمتِ بالغہ کے تحت کھول کر بیان نہیں فرمائے یا جو مسائل سرے سے بیان ہی نہیں کیے گئے، یہی وہ اجتہادی مسائل ہیں جن میں اجتہاد و استنباط کی صلاحیت رکھنے والے اہل علم غور و فکر کریں گے۔

۵۔ سورۂ قیامہ اور سورۂ نحل کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی طرح بیان قرآن بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اگر دینی جزئیات کو طے کرنے اور بنانے کا حق کسی فرد، معاشرے یا کسی حکومتی ادارے کو ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلّم کتاب ٹھہرانے کی ضرورت ہی کیا تھی، نیز اس صورت میں سورۂ نحل کی مذکورہ آیت میں لتبین للناس (تاکہ تو لوگوں کو خوب کھول کر بیان کردے) کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ جائے ''لبتینو اللناس'' کے کلمات لائے جاتے کہ ''تم اسے لوگوں پر خوب کھول کر بیان کردو۔'' البتہ آیت کے آخر میں صرف اجتہادی مسائل میں اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے اہل علم کو غور و فکر کرکے ازخود مسائل گھڑ لینے کا نہیں بل کہ قرآن وسنت میں مخفی مسائل اور شرعی احکام کو ڈھونڈ نکالنے اور معلوم کر لینے کا حق دیا گیا ہے۔ اسی سورۂ نحل میں مزید ارشاد ہے: وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ (۵/ب) ''اور ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لیے اتاری ہے کہ تو ان لوگوں کے لئے وہ چیزیں کھول کر بیان کردے جن میں انھوں نے اختلاف پیدا کر رکھا ہے۔'' پس قرآن کریم کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن کریم کو لوگوں تک پہنچانے اور ان پر اس کی تلاوت فرمانے کے لحاظ سے ہی مُبلّغ نہیں بل کہ اس کی تبیین وتشریح کو اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) کے ذریعے پہنچانے کے بھی پابند ہیں اور پھر نہ صرف پہنچا دینے کے آپ ذمے دار ہیں بل کہ کتاب پر عمل کرنے اور کرانے اور لوگوں کے اخلاق و عادات کو سنوارنے کی ذمے داری بھی آپ پر ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم میں آپ کو معلم کتاب وحکمت کے ساتھ لوگوں کے لئے مزکّی اخلاق (اخلاق و عادات کو سنوارنے والا) بھی قرار دیا گیا ہے۔ پس اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی سنت کے لحاظ سے آپؐ کی ذاتِ مبارکہ میں پوری امت کے لئے اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ بہ الفاظ دیگر منکرین ومعاندین کے لئے تو آپ صرف نذیر و مُبلّغ ہیں لیکن اہل ایمان کے لئے مُبلّغ کتاب ہی نہیں بل کہ اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) کے ذریعے کتاب کی شرح وتفصیل (حکمت) کی تعلیم دینے والے بھی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کرتا کہ مُعلّم کامل صرف کتاب کا متن ہی پڑھ کر دہراتا اور سناتا رہے اور اپنے طرف سے اپنی قول وفعل کے ذریعے کچھ بھی نہ سمجھائے اور بتائے۔

۶۔ مذکورہ مباحث سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ اس قرآن کا بیان (تفسیر و توضیح) ہمارے ذمے ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قرآن کی تشریح وتوضیح صرف قرآن ہی سے ہوگی اور سنت رسول کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں جا بہ جا معلم کتاب وحکمت نہ ٹھہرایا جاتا اور نہ ہی یہ فرمایا جاتا کہ ہم نے یہ کتاب پیغمبر پر اس لیے اتاری ہے کہ آپ اسے لوگوں پر کھول کھول کر بیان کریں۔ نیز اس صورت میں وحی قرآنی کے علاوہ آپ پر وحی غیر قرآنی کا نزول ہی بے مقصد ہوتا۔ پس قرآن کی تفسیر صرف قرآن ہی سے نہیں ہوتی بل کہ سنت بھی اس کا نہایت ہی اہم ماخذ ومصدر ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضا یعنی قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سنت رسول اللہ قرآن فہمی میں کوئی ضرورت ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں۔ قرآن کی قرآن سے تفسیر کی ایک مثال یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں یہ دعا سکھائی گئی ہے، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ○ (۵/ج) ''(اے اللہ!) ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا''۔ یہاں یہ واضح نہیں کہ منعم علیہم (انعام یافتہ لوگ) کون ہیں لیکن سورۂ النساء میں بتایا گیا ہے کہ منعم علیہم لوگوں سے مراد انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔ (۶/الف) اور مثلاً جب حضرت آدم وحوا علیہما السلام ممنوعہ درخت کے پاس چلے گئے تو سورۂ بقرہ میں ہے: فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ (۶/ب) ''تو آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے اس پر رحمت سے توجہ فرمائی۔'' یہ کلمات سورۂ بقرہ میں مذکور نہیں ہیں لیکن سورۂ اعراف میں بتایا گیا ہے۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (۶/ج) ''ان دونوں (آدم وحوا) نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ کبھی قرآن کی قرآن سے تفسیر یوں بھی ہوتی ہے کہ متعلقہ مضمون کا سیاق و سباق صحیح مطالب کو واضح کر دیتا ہے۔ مثلاً ازواج مطہرات کے متعلق صحابۂ کرامؓ کو حکم دیا گیا: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (۷/الف) ''اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو۔'' اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے ساتھ ہی مخصوص ہے، لیکن اسی آیت میں آگے یہ کلمات بھی ہیں: ذالکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن ''یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی اور ان کے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔'' اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دلوں کی یہ پاکیزگی سب مسلمان عورتوں کے لئے مطلوب ہے۔ الغرض تفسیر قرآن کا پہلا ماخذ بلاشبہہ خود قرآن ہی ہے۔ دوسرا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ قولی، فعلی اور تقریری یعنی بیان قرآن کو ہم تک پہنچانے والی احادیث ہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم میں جو احکام و مسائل اجمالاً بیان کیے گئے ہیں اور جن مضامین کے سمجھنے میں اشکال پیدا ہوتا ہے یا جو احکام و مضامین قرآن میں صراحتاً مذکور ہی نہیں ہیں، احادیث کے بغیر انہیں سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ مثلاً نماز کا ذکر کسی نہ کسی سیاق و سباق میں قرآن کریم میں کوئی ستر سے بھی زائد مرتبہ ہوا ہے۔ لیکن نماز کا پورا طریقہ، رکعات کی تعداد، اذان و اقامت کے کلمات وغیرہ وغیرہ کا علم حدیث کو حجت یعنی معتبر و مستند اور واجب التسلیم ماننے بغیر ہرگز ممکن نہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم میں یہ تفصیل موجود نہیں اور قرآن کریم مُفصّل (واضح کیا گیا، کھول کر بیان کیا ہوا) اسی معنیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بیان قرآن حاصل کرنے والے [illegible] سب سے پہلے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(سنت) سے اسے بیان کرنے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن پر یہ نازل ہوا ہے۔ چوں کہ قرآن کی طرح یہ بیانِ قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لہٰذا یہ بھی دائمی، آفاقی اور ناقابل تغیرّ وتبدّل ہے۔ حدیث کے مفہوم میں اہل علم نے وسعت پیدا کرتے ہوئے اقوال صحابہ وتابعین کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ چناں چہ قرآن فہمی میں اہل علم کی بیان کردہ متعلقہ شرائط کے تحت یہ بھی ماخذ ٹھہرائے جاتے ہیں۔ نیز لغت اور عقل سلیم بھی تفسیری مآخذ میں شامل ہیں بشرطیکہ ان سے قرآن وسنت سے ثابت دینی مسلمات کی نفی نہ ہوتی ہو۔

۷۔ الغرض قرآن کریم اسی معنیٰ میں مفصّل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے وضاحت طلب مضامین کی تشریح وتوضیح اپنے رسول کو حسبِ وعدہ بتائی اور سکھائی اور پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے امت کو بتائی اور سمجھائی۔ قرآن کریم کی حیثیت متن اور سنت وحدیث کی حیثیت شرح کی ہے۔ کسی متن کی شرح اپنے وجود کے اعتبار سے تو متن سے الگ ہوتی ہے لیکن غرض وغایت کے اعتبار سے اس سے پوری طرح پیوستہ ہوتی ہے چناں چہ متن اور شرح میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ شرح کے انکار سے متن کا اور متن کے انکار سے شرح کا انکار لازم آتا ہے خصوصاً جب کہ قرآنی متن (وحی کتاب) اور اس کی شرح (سنت یا وحی غیر کتاب) دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں ہی حجت یعنی واجب التسلیم اور مؤثر ومعتبر (Valid) ہیں۔

ب: منکرین حدیث کے مغالطے

۱۔ منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ چوں کہ قرآن ایک مکمل اور جامع کتاب ہے لہٰذا حدیث رسول کی ضرورت نہیں۔ کیا منکرین حدیث کے نزدیک قرآن اس معنیٰ میں مکمل اور جامع کتاب ہے کہ اس میں تمام فروعی جزئیات اور مسائل واحکام جمع کردیئے گئے ہوں؟ اگر ان کے نزدیک یہ اسی معنیٰ میں جامع کتاب ہے تو منکر حدیث محمد اسلم جیراجپوری کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ ''اس تمام عرصے میں توجہات کا مرکز حدیث ہی رہی (یا فقہ جو احادیث کی روشنی میں مرتب کی جاتی رہی) اس لئے کہ قرآن کریم میں احکام بہت تھوڑے تھے اور زندگی کی عملی ضروریات ان سے کہیں زیادہ'' (۷/ب) نیز انھوں نے یہ کیوں لکھا؟ ''ہمارا ایمان ہے کہ قرآن تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کی ہدایت قیامت تک نافذ العمل رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ضابطۂ ہدایت میں ہر قسم کے مسائل و معاملات کے لئے جزئی اور فرعی احکام نہیں دیئے جاسکتے تھے'' (۷/ج)۔ کیا مذکورہ عبارتوں کا یہ مطلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کہ زندگی کی عملی ضروریات کے لئے سب کے سب احکام قرآن میں موجود نہیں بل کہ صرف چند احکام ہی موجود ہیں؟ پس ثابت ہوا کہ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ اور فریب ہے کہ ہم قرآن کو اس معنیٰ میں کامل، جامع اور مفصل سمجھتے ہیں کہ اس میں تمام فروعی جزئیات اور مسائل و احکام موجود ہیں، لہٰذا حدیث کی ضرورت نہیں۔ محمد اسلم جیراجپوری کے شاگرد مسٹر غلام احمد پرویز اپنی کتاب ''قرآنی فیصلے'' میں لکھتے ہیں'' ...... کس قدر چوری اور کن حالات میں چوری کے جرم میں مجرم اس سزا کا مستحق ہوگا اور کن حالات میں اس سے کم سزا کا سزاوار ہوگا، اس کے متعلق فقہ اور روایات دونوں میں تفصیلی مباحث موجود ہیں۔ روایات (مسلم اور بخاری) میں ہے کہ دینار سے کم کی چوری میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ فقہ میں اس کو نصاب کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک نصاب ایک دینار ہے اور بعض کے نزدیک رُبع (ایک چوتھائی) دینار۔ یہ تو رہا مقدار کا سوال۔ اب لیجئے احوال وظروف کو۔ فقہ کی رو سے چور کو اس وقت تک قطعِ ید کی سزا نہیں دی جائے گی جب تک اس نے محفوظ جگہ سے نہ چرایا ہو'' (۸/الف) پھر اس کے بعد پرویز صاحب نے ''سارق کسے کہتے ہیں'' کے ذیلی عنوان کے تحت سُنن نسائی کی روایت، حضرت عمرؓ کا قول اور امام ابن حزمؒ کا ایک قول پیش فرما کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پہاڑوں پر چرنے پھرنے والے جانوروں میں سے اگر کوئی شخص جانور لے جائے تو وہ چور شمار نہیں ہوگا۔ بھوکا شخص باغ سے پھل توڑ کر کھالے تو وہ بھی اور اسی طرح قحط کے زمانے میں چوری کرنے والا شخص بھی چور نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لیے ان پر قطعِ ید کی حد جاری نہیں ہوگی۔ البتہ قاضی جرم کی نوعیت کے مطابق اسے سزا دے سکتا ہے'' (۸/ب)۔ ادھر منکرین حدیث کے مجلّے طلوعِ اسلام میں ہے'' آپ عجمی سازش کی ہم نوائی میں یہ سمجھتے ہیں کہ (وہ) قرآن نامکمل ہے اور اس کی تکمیل ان روایات سے ہوتی ہے جو عجمی ٹکسالوں میں گھڑی گئی تھیں۔'' (۸/ج) اب دیکھئے کہ قرآن کریم کی متعلقہ آیت میں ہے: والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما (۸/د)'' اور چور مرد اور چور عورت، تو تم ان دونوں کے ہاتھ کو کاٹو۔'' قرآن کریم کا یہ حکم مجمل ہے۔ نہ تو اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے اور نہ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ صرف ایک ہاتھ ہی کاٹنا ہے یا دونوں کا کاٹنا مطلوب ومقصود ہے۔ بل کہ یہ احتمال موجود ہے کہ دونوں ہاتھوں کاٹے جائیں، کیوں کہ آیت میں لفظ ''ایدی'' جمع کا لایا گیا ہے اگر تثنیہ کا صیغہ لایا جاتا تو کسی حد تک واضح ہو جاتا کہ چور مرد اور چور عورت دونوں کا ایک ایک ہاتھ ہی کاٹنا ہے۔ لیکن یہاں پرویزی منکرین حدیث ان ہی روایات واحادیث کو معتبر سمجھتے ہیں جو ان کے زعم باطل کے مطابق عجمی ٹکسالوں میں گھڑی گئی تھیں۔ اگر یہ روایات ان کے نزدیک معتبر مستند نہیں تو پھر ان کے استاذ محمد اسلم جیراجپوری نے یہ کیسے لکھ دیا تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''لاریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واقوال کے متعلق کچھ صحیح حدیثیں بھی ضرور تھیں، لیکن اس جھوٹ کے سیلاب سے جو مختلف راستوں سے آیا سچائی کے ان قطروں کو یقین کے ساتھ چن لینا انسانوں کے لئے بالکل ناممکن ہوگیا۔'' (۹/الف) پس ان منکرین حدیث کے نزدیک قرآن نامکمل ہے اور وہ اس کی تکمیل عجمی ٹکسالوں میں گھڑی گئی روایات سے کرنے میں ذرا بھی نہیں شرماتے اور اپنے ہی الفاظ میں ''جھوٹ کے اس سیلاب'' میں غوطہ زن ہونے ہیں ذرا بھی عار محسوس نہیں فرماتے جس سے بہ قول ان کے سچائی کے قطروں کو یقین کے ساتھ چن لینا انسانوں کے لئے بالکل ناممکن ہوگیا تھا۔ اس سے ان کے کلام میں جو حقیقی تعارض، تصادم، اختلاف وانتشار اور تضاد پیدا ہوتا ہے خاصا دل چسپ اور انہیں غلط قرار دینے کے لئے کافی، شافی اور وافی ہے۔ یہاں دل چسپ امر یہ بھی ہے کہ بعض متقدمین حضرات کے ہاں ''نسخ'' کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، کسی مطلق کلام کو مقید ومحدود کردینے کو بھی وہ نسخ میں شامل کرتے ہیں۔ اسی معنیٰ میں اگر کسی نے یہ کہا ہے کہ سنت قران کو منسوخ کرسکتی ہے تو منکرین حدیث اس سے لوگوں کو دھوکہ دینے میں حق بہ جانب نہیں ہیں۔ دیکھئے قرآن میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم مطلق ہے۔ اس کو فقہ اور احادیث کا سہارا لیتے ہوئے اور انکارِ حدیث کے اپنے موقف کی اپنے ہی قلم سے تردید کرتے ہوئے پرویز صاحب مقید ومحدود کررہے ہیں تو وہ بھی متقدمین کی اصطلاح میں سنت کے ذریعے قرآن میں نسخ کررہے ہیں۔ ورنہ نسخ کا جو عام متبادر الی الفہم (ذہن میں فوراً اترنے والا) مفہوم ہے اس کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام، اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا بل کہ اللہ کا کلام، رسول کے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور یہاں رسول کے کلام سے مراد آپ کا اپنے اجتہاد واستنباط پر مبنی کلام ہے۔ ورنہ وحی خفی کے ذریعے جو کچھ آپ کو ملا وہ حقیقت میں اللہ ہی کا کلام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كلامي لا ينسخ كلام الله و كلام الله ينسخ كلامي و كلام الله ينسخ بعضه بعضاً (۹/ب)۔ ''میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا بل کہ اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے۔ (اسی طرح) اللہ کا بعض کلام اس کے بعض کو منسوخ کرتا ہے۔'' یعنی اللہ اپنے جن احکام کو منسوخ کرنا چاہے یا ان کی جگہ نئے احکام دینا چاہے تو وہ جب چاہے ایسا کرسکتا ہے۔

یہاں حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی طرح بیانِ قرآن (سنت رسول) بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ متکلم اپنے مجمل کلام کی خود اطمینان بخش شرح کرے تو اس کے کلام کو ہرگز نامکمل اور غیر مفصل نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اگر متکلم کا مجمل اور وضاحت طلب کلام ایسا ہو کہ اس کا سمجھنا متکلم کے سوا دوسرے لوگوں کی سراسر من مانی اور ظنی تشریح وتوضیح [illegible] رہنمائی کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامکمل اور غیر مفصل سمجھا جائے گا۔ منکرین حدیث اللہ کی طرف سے اس بیان قرآن کو ماننے کے لئے تیار نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت سے ظاہر فرمایا ہے بل کہ وہ قرآن کے مجملات کی تشریح کا اور جو احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں انہیں متعین کرنے کا اللہ تعالیٰ کا حق حکاّم یعنی مخلوق کے سپرد کرتے ہیں۔ یوں قرآن کو نامکمل اور غیر مفصل سمجھنے والے خود یہی منکرین حدیث ہی ہیں۔ جب وہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں زندگی کی عملی ضروریات کے لئے سب کے سب احکام موجود نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بیان قرآن (غیر قرآنی وحی، وحی سنت) کے ذریعے اس ضرورت کو خود ہی پورا فرمادیا ہے۔

جب یہ بیان قرآن اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس کے غیر محفوظ ہونے کا منکرین حدیث کا دعویٰ جھوٹا ہے کیوں کہ اگر بیان قرآن جس پر قرآن فہمی موقوف ہے، غیر محفوظ ہو تو خود قرآن کا محفوظ ہونا قطعاً بے مقصد ٹھہرتا ہے۔ بیان قرآن اللہ ہی کی طرف سے اس لیے ہے کہ وہی حقیقی شارع ہے۔ لوگ دین بنانے کے نہیں بل کہ دین کو نافذ کرنے کے مکلّف و پابند ہیں، اس لیے وہ صرف انتظامی اور تدبیری امور میں ہی حسب موقع وضرورت قانون سازی کرنے کے مجاز ہیں۔ مخلوق میں سے جو بھی دینی مسائل اور جزئیات کو متعین کرنے کا خدائی حق اپنے ہاتھ میں لے گا وہ خود بھی اور اس کے ماننے والے بھی مشرک ہوں گے۔ جیسا کہ عیسائیوں کے مذہبی رہ نما اپنے آپ کو شارع قرار دینے اور ان کے عقیدت مند ان کو شارع تسلیم کرنے کی وجہ سے پکے مشرک ہیں۔ منکرین حدیث اپنی بدقسمتی سے اسی نظام پاپائیت کو امت مسلمہ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں جس میں کام یابی کا بہ ظاہر دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے۔

۲۔ سورۂ انعام میں ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (۹/ج) ''اور زمین پر چلنے پھرنے والے جو بھی جانور ہیں اور جو بھی اپنے بازوؤں سے اڑنے والے پرندے ہیں یہ سب تمہاری ہی طرح کے گروہ ہیں اور ہم نے کتاب میں کوئی چیز بھی (لکھے بغیر) نہیں چھوڑی پھر یہ سب کے سب اپنے رب کے پاس جمع کیے جائیں گے۔'' آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ یہاں ''کتاب'' سے قرآن کریم نہیں بل کہ لوح محفوظ مراد ہے۔ لیکن منکرین حدیث سیاق وسباق کو چھوڑ کر عام لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہی سب کچھ موجود ہے لہٰذا احادیث کی ضرورت نہیں۔ سورۂ عنکبوت میں ہے: وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۱۰/الف) ''اور وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتاری گئیں؟ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں، میں تو صرف صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے۔ بے شک اس (کتاب) میں ایمان والوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات سے یہ بالکل واضح ہے کہ مخالفین و معاندین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے منہ مانگے معجزوں کو دکھانے کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ انہیں یہ جواب دیا گیا ہے کہ معجزات پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتے اور وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔ پھر ان سے پوچھا گیا ہے کہ کیا قرآن مجید ان کے لئے بہ طور معجزہ کافی نہیں ہے؟ منکرین حدیث یہاں بھی سیاق و سباق کو چھوڑ کر یہ غلط تاثر پیش کرتے ہیں کہ لوگوں کے لئے قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں۔ سورہ نحل میں ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۰/ب) ''اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ہر چیز کا کھلا بیان ہے۔'' اس طرح کی آیات سے بھی منکرین حدیث کا یہ استدلال غلط ہے کہ چوں کہ قرآن میں ہر چیز موجود ہے، لہٰذا حدیث کی ضرورت نہیں۔

اوّلاً لفظ ''کُل'' سے ہمیشہ استغراقِ حقیقی (تمام افراد اور جزئیات کا پورا پورا احاطہ) مراد نہیں ہوا کرتا۔ قوم سبا کی ملکہ بلقیس کے متعلق سورۂ نمل میں ہے: وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (۱۰/ج) ''اور اسے ہر چیز دی گئی ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دور کے تمام لوازم حکومت اسے دیئے گئے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ مثلاً اسے مردانہ اعضاء اور داڑھی وغیرہ بھی دیئے گئے تھے۔ قرآن کریم میں ہر چیز کا بیان ہے، کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ کتاب دینی اصول وکلیات کی جامع ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں تمام دینی جزئیات اور مسائل کو فرداً فرداً بیان کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس میں ایسی تعلیم بھی موجود ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً اس میں کسی مورخ کو پانی پت کی لڑائیوں کا، پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا کوئی بیان نہیں ملے گا، کسی صنعت کار کو ہوائی جہاز، ریل گاڑی، ٹیلی فون وغیرہ ایجادات کی تفصیل نہیں ملے گی، اس میں کسی کھلاڑی کو کرکٹ اور ہاکی وغیرہ کھیلنے کے قواعد وضوابط اور طریقے نہیں ملیں گے، اس میں کسی طبیب کو سونے چاندی وغیرہ دھاتوں کی تکلیس (کشتہ سازی) کے نسخے نہیں ملیں گے۔

ثانیاً۔ اللہ ہمیں کافی ہے، کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں اللہ کا متعین فرمودہ صراط مستقیم معلوم کرنے کے لئے اس کے رسول کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح قرآن ہمیں کافی ہے، کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اسے سمجھنے کے لئے بیان قرآن (سنت) کی ضرورت نہیں۔ ہمیں قرآن وسنت کافی ہیں، کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ہمیں قرآن وسنت میں غور کرکے شرعی احکام کو مرتب کرنے، ان کی درجہ بندی کرنے اور نئے پیش آمدہ مسائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا حل معلوم کرنے (یعنی فقہ) کی ضرورت نہیں۔

ثالثاً۔ جیسا کہ اوپر حصہ ''الف'' میں مذکور ہو چکا ہے، منکرین حدیث بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن میں سب کی سب جزئیات مذکور نہیں۔ اس سلسلے میں منکرین حدیث محمد اسلم جیراجپوری اور غلام احمد پرویز کی متعلقہ عبارتیں پیش کی جا چکی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے قرآن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا اور اسی نے آپ سے بیانِ قرآن کا بھی وعدہ فرمایا۔ اس وعدے کو اس نے پورا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے بیان قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنت اور اپنے اسوۂ حسنہ سے لوگوں پر ظاہر فرمایا۔ لہٰذا قرآن مفصّل بمعنی تفصیل سے بیان کیا ہوا کلام ہے۔ اس کے مکمل اور مفصل نہ ہونے کا کوئی سوال یا کوئی شبہہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جب قرآن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے بیان قرآن کے ذریعے مفصّل کر دیا تو یہ تمام متعلقہ دینی امور اور مسائل میں بیان وتبیان یعنی تفصیل بیان کرنے والا ہو گیا۔ البتہ منکرین حدیث اپنے باطل مفروضات اور نظریات سے یہ بھرپور تاثر قائم کرتے ہیں کہ قرآن (معاذ اللہ) نامکمل اور غیر مفصل ہے اور اس کی تکمیل اور تفصیل کا یہ قول ان کے ہر دور کا حاکم اعلیٰ یوں ذمے دار ہوگا کہ وہ از خود یا دوسروں کے مشورے سے اس کے مجمل احکام اور مضامین کی مرادِ متعین کیا کرے گا۔ حال آں کہ یہ حق صرف اور صرف متکلم کو ہے کہ وہ اپنے مجمل کلام کی حسب ضرورت خود ہی وضاحت کرے۔ پس منکرین حدیث کے نزدیک ہی قرآن (معاذ اللہ) لوگوں کی رہ نمائی کے لئے ناقص اور نامکمل ہے۔ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا شخص بھی سمجھتا ہے کہ اگر مخلوق میں سے کوئی متکلم اپنے کلام کے بعض مجمل مضامین کی تشریح وتوضیح خود اپنے ذمے لے اور اس ذمے داری کو نبھاتا ہوا وہ خود تشریح وتوضیح کر بھی دے، تو دوسروں کو ہرگز یہ حق اور اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ متکلم کی تشریح وتوضیح کو ٹھکرا کر اپنی طرف سے اس کے کلام کو خود ساختہ معانی پہنائیں۔ جب مخلوق کے کلام کی تشریح وتوضیح کا حق متکلم کے سوا کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا تو رب العالمین کے کلام میں کسی کو ایسا اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وہ قرآن کریم کے مجمل احکام ومضامین کو جو چاہے معنیٰ پہناتا پھرے اور اپنی خواہش نفس کی پیروی میں من پسند تشریح کرتا پھرے۔ عقل وخرد سے محروم ایسے ہی لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے قرآن میں علم کے بغیر کوئی بات کہی اور ایک روایت میں ہے کہ اپنی رائے سے کوئی بات کہی: **فلیتبؤا مقعدہ من النار** (۱۱/الف) ''تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''

رابعاً۔ کسی کلام کے کامل اور جامع ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس میں کوئی بھی مجمل اور وضاحت طلب مضمون نہیں ہو سکتا بلکہ کسی کلام کے مفصل ہونے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ [illegible] سمجھنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے کسی معلم ورہبر کی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً علم طب یا ہندسہ وغیرہ پر کوئی مفصل کتاب ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص اسے از خود سمجھ سکتا ہے۔ جب مخلوق کے کلام کا یہ حال ہے تو خالق کے کلام کے متعلق یہ سمجھ لینا پرلے درجے کی حماقت، بدبختی اور شقاوت ہے کہ اسے ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے اور جناب غلام احمد پرویز کی طرح جو شخص جس طرح چاہے اور جب چاہے اسے تختۂ مشق اور بازیچۂ اطفال بنا سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنے رسول کو معلّم کتاب ٹھہرایا ہے تو (معاذ اللہ) خوامخواہ کا تکلف فرمایا ہے۔ قرآن کریم بلا شبہہ ایک جامع اور کامل کتاب ہے جس کے مجمل مضامین واحکام کی شرح خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بتائی اور پھر اس کے حکم سے رسول نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (یعنی اپنی سنت مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ) سے امت تک پہنچائی۔ پس اس سے سنت رسول کے معاندانہ انکار کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں نکلتی بل کہ اس کے برعکس اس سے بھرپور تمسک کی ناگزیر ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

خامساً۔ اگر قرآن کریم کے کامل، جامع اور مفصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن فہمی اور اس پر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل (سنت) پر موقوف نہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ منکرین حدیث مثلاً غلام احمد پرویز نے معارف القرآن، مطالب القرآن، مفہوم القرآن، قرآنی فیصلے وغیرہ جو کتب لکھی ہیں تو کیا قرآن فہمی ان کتب پر موقوف ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پرویز نے ایسی کتب لکھنے کا تکلف ہی کیوں فرمایا؟ اگر قرآن فہمی پرویز جیسے منکرین حدیث کی کتب پر موقوف ہے تو اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ قرآن فہمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول وفعل (سنت) پر موقوف نہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پر مبنی ہے اور آپ بہ حیثیت رسول مورد وحی ہیں اور اس کی وجہ ان منکرین حدیث کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن پہلے ہی مکمل ومفصل ہے اور محتاج تفصیل نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے خیال میں قرآن فہی پرویز جیسے کسی منکر حدیث کے قول وفعل (سنت پرویز وغیرہ) پر اس لیے موقوف ہے کہ اب یہی مفصل ومکمل قرآن ان کے لئے یکا یک نامکمل اور غیر مفصل ہو گیا ہے جس کے مجمل ومشکل مضامین کی سراسر خواہش نفس پر مبنی تشریح وتوضیح پرویز جیسا کوئی منکر حدیث یا منکرین حدیث کا کوئی (مفروضہ ومجوزہ) مرکز ملت وغیرہ کیا کرے گا۔ ایسے خبیث اور پلید افکار ونظریات سے مورد وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بدترین توہین وتنقیص ہوتی ہے وہ کسی عقل مند سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ وحی پر مبنی سنتِ رسول سے اس دشمنی کے باوجود اگر اس طرح کا کوئی گستاخِ رسول قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے اور معارضے میں آپ کے بیانِ قرآن (سنت) کو ٹھکراتا ہوا خود کو مفکر قرآن ظاہر کرے اور جو لوگ ایسے کسی نام نہاد مفکر ودانشور [illegible] محبت کا اظہار کرتے [illegible] تو نرم [illegible] الفاظ میں بھی انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرلے درجے کے احمق یا پرلے درجے کے کذاب قرار دیئے بغیر چارہ نہیں۔ اہل حق کی تفاسیر پر یہ اعتراض اس لیے وارد نہیں ہوتا کہ وہ قرآن کریم کے تفسیری مآخذ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اہم ترین ماخذ قرار دیتے ہیں، اور تفسیر کے نام پر بدترین معنوی تحریف کے مرتکب ہوکر قرآن کریم کو ہرگز بازیچۂ اطفال اور اضحوکۂ اغیار نہیں بناتے۔ **واللہ ھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم**

۳۔ بعض ائمہ سلف مثلاً امام اوزاعیؒ کا قول ہے: **السنۃ قاضیۃ علیٰ کتاب اللہ** ''سنت کتاب اللہ کے متعلق فیصلہ کرتی ہے'' اس طرح کے اقوال کو بھی غلط معنی پہنا کر منکرین حدیث لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ امام اوزاعیؒ کے اس قول کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سنت اور قرآن میں کوئی مغائرت ہے اور سنت قرآن کے احکام و مضامین میں تغیر و تبدل کرتی ہے۔ جب قرآن اور بیان قرآن (سنت) دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو دونوں میں کسی حقیقی تعارض و اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امام اروزاعیؒ کے قول کا مطلب ہے کہ قرآن کے مجمل مضامین کی صحیح مراد متعین کرنے میں لوگوں کا باہم اختلاف ہوتو اسے دور کرنے میں سنت رسول کا فیصلہ ہی امت کے لئے قابل قبول ہوسکتا ہے اور قرآن فہمی میں صحیح صممد و معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ مثلاً قرآن میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم مجمل اور وضاحت طلب ہے۔ اس میں کئی احتمالات موجود ہیں جو صحیح مراد کو متعین کرنے میں شبہات اور مشکلات پیدا کرسکتے ہیں تو سنت کے نے نصاب سرقہ اور ہاتھ کاٹنے کی کیفیت وغیرہ کا تعین کر کے صحیح مراد بیان کردی اور شبہنات کا ازالہ کردیا۔ حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں: **سیأتی قوم یجادلونکم بشبہاتِ القرآن فخذوھم بالسُّنَنِ فانّ اصحاب السُّنن اعلم بکتاب اللہ عزّوجل** (۱۱/ب) ''عن قریب ایسے لوگ آئیں گے جو تم سے قرآن کے متعلق شبہات میں جھگڑا کریں گے، ان لوگوں کا مواخذہ سنتوں کے ذریعے کرو، کیوں کہ اہل سُنن ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں''، یعنی قرآن کے مجمل مضامین واحکام کی توضیح جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے فرمائی ہے وہی درست ہے۔ اسی طرح قرآن کے جو مضامین بہ ذاتِ خود مفصل ہیں اور ان کا مفہوم بالکل واضح ہے، ان میں اہل باطل کی کج بحثی کا دروازہ بند کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سُننِ قولیہ وفعلیہ سے ان معاندین اور مخالفین کا مؤاخذہ کرو جن سے ان قرآنی مضامین کی اوران کے صحیح مفہوم کی مزید پوری پوری تائید ہوتی ہے۔ چناں چہ مثلاً حضرت علیؓ کے دور میں خوارج کے غلط نظریات کا مؤاخذہ صحابہ کرامؓ نے سنت رسول کے حوالے سے فرمایا اور قرآن کریم کے بعض واضح اور غیر مبہم مضامین میں بھی وہ جو ناحق شبہات پیدا کرتے تھے تو سنتِ رسول سے ان پر حجت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری کی گئی۔ قاضی شُریح کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضرت عمرؓ نے لکھا: اذا اتاك امر فاقض بمافی کتاب اللہ فان اتاك بمالیس فی الکتاب فاقض بما سنّ فیه رسول اللہ (۱۱/ ج) ''جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو تو اس میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ دو اور جو ایسا مقدمہ ہو جس کے متعلق کتاب اللہ میں کچھ مذکور نہ ہو تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ دو''۔

۴۔ قرآن فہمی کے لئے سنتِ رسول ناگزیر ہے یا نہیں، اس میں اہل باطل نے خوب خوب افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ منکرین حدیث کا کہنا یہ ہے کہ قرآن فہمی کے لئے حدیث کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ ادھر بعض اہل باطل کا رویہ یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کے نہایت واضح اور غیر مبہم مضامین کو بھی اپنے افکارِ باطلہ اور اپنی اغراض نفسانیہ کے تابع کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ قرآن کا کوئی مضمون بھی روایات واحادیث کو ساتھ ملائے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔ وہ اپنے مقاصد کے لئے ضعیف بل کہ موضوع روایات تک کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ یا بعض صحیح احادیث کو جن کا کتاب اللہ سے حقیقی نہیں بل کہ محض ظاہری اور صوری تعارض ہوتا ہے، انہیں کتاب اللہ کے تابع اور مطابق کرنے کی بہ جائے کج بحثی سے کام لیتے ہیں اور بعض اوقات متعلقہ صحیح احادیث کا سرے سے کتاب اللہ سے کوئی تعارض نہیں ہوتا لیکن وہ انہیں اپنی اغراض کی خاطر غلط معنیٰ پہناتے ہیں اور کتاب اللہ کے صاف صاف اور کھلے مضامین کی بھی کسی نہ کسی بہانے سے تکذیب وتغلیط پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ اہل بدعت، روافض وخوارج، اور ملحدانہ افکار ونظریات سے سرشار اور اغیار کی ذہنی غلامی کے شکار لوگوں کا اکثر وبیشتر یہی وتیرہ ہوتا ہے۔ تاہم یہاں یاد رہے کہ قرآن اور بیانِ قرآن (سنت) دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ سنت کو الفاظ وکلمات میں بیان کرنے اور آگے منتقل کرنے کو روایت کہا جاتا ہے۔ حدیث کی اصول روایت اور اصول درایت کے تحت بنیادی طور پر دو ہی اقسام مقبول اور مردود ہیں۔ سنت بہ ذاتِ خود (معاذ اللہ) ضعیف یا موضوع نہیں ہوتی بل کہ راویوں کے ذریعے اس کی روایت (حدیث) راویوں کے اوصاف کے مطابق صحیح، ضعیف یا موضوع ہو سکتی ہے۔ سنت اور حدیث کے اس فرق پر غور کیجئے کہ امام اوزاعیؒ وغیرہ نے ''السنۃ قاضیۃ علیٰ کتاب اللہ'' کہا ہے، ''الحدیث قاض علیٰ کتاب اللہ'' نہیں کہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اہل باطل کے مؤاخذے کے لئے ''سُنن'' کا لفظ استعمال کیا ہے، ''احادیث'' کا نہیں۔ سنت وحدیث کے اس لطیف فرق کو عمداً یا سہواً نظر انداز کر کے منکرین حدیث اور دیگر اہل باطل طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے ہیں۔ دوسروں کو اور شاید خود اپنے آپ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں۔ الغرض راویوں کے ذریعے سنت کی روایت حدیث کہلاتی ہے۔ حدیث کا جو حصہ راویوں کے ناموں (سند) پر مشتمل ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ مُنزّل من اللہ نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح حدیث کا وہ متن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس کا معنی ومفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دین کے متعلق صحابہ کرامؓ کے وہ اقوال اور افعال جو مُدرک بالقیاس نہ ہوں وہ بھی حدیث مرفوع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی دین کے بارے میں ان کے ایسے اقوال وافعال جن کے متعلق شبہہ ہی نہ پیدا ہوتا ہو کہ یہ انھوں نے اپنے اجتہاد واستنباط سے اختیار کیے ہیں تو ان کے ایسے اقوال وافعال لازماً سنت رسول ہی پر مبنی ہیں اور ان کا معنی ومفہوم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۵۔ دین کے اصول وکلیات، عقائد اور ان کے متعلقات قرآن کریم نے نہایت تفصیل سے بیان کرے ہیں۔ صحابہ کرام کے حسن عاقبت کی عموماً اور ان میں سے مہاجرین وانصار اور مؤلفۃ القلوب کے حُسنِ عاقبت کی خصوصاً نہایت واضح اور غیر مبہم خبریں، رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم اور انبیائے سابقین کے بعض حِسی معجزات اور امم سابقہ کے بعض احوال وقصص بھی قرآن کریم نے اس طرح بیان کردیئے ہیں کہ ان کے متعلق احادیث کی حیثیت محض تائیدی ہے۔ اس طرح کے مضامین کو سمجھنا احادیث وروایات پر گو موقوف نہیں ہے لیکن اہل باطل عموماً اور پرویزی منکرین حدیث خصوصاً ان میں بھی دور از کار ابلیسی تحریفات اور ملحدانہ تاویلات سے باز نہیں آتے، لہٰذا یہاں بھی تائیدی احادیث وروایات ان کا راستہ روکتی ہیں۔ ورنہ قرآن کریم کی بہ ذاتِ یہ خود شان ہے، وانّہ لکتاب عزیز لایأتیہ الباطل من بین یدیہ وآلا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (۴۱/ الف) ''اور بلاشبہہ وہ بڑی عزت والی کتاب ہے' باطل کا گزر نہ اس کے سامنے سے ہوتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ حکمت والے (اور) لائقِ تعریف (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے اتارا ہوا ہے''۔ عقائد کے متعلق بعض ذیلی مباحث مثلاً عالم برزخ کی کیفیات، قیامت کی علامات، آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور خروج دجّال وغیرہ کو ان احادیث وروایات نے واضح کردیا ہے جنہیں من حیث المجموع بھرپور معنوی تواتر حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کی لاتعداد سُنن فعلیہ بھی طبقاتی وعملی تواتر سے امت تک منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں، لہٰذا ان کے متعلق احادیث وروایات کو بھی مجموعی اعتبار سے طبقاتی وعملی تواتر، تسلسل اور توارث حاصل ہے گو انہیں بیان کرنے والی احادیث فرداً فرداً ظنی ہوں۔ پس سنتِ رسول کے انکار کا کوئی عقلی ونقلی جواز ہرگز نہیں ہے۔

(ج) سُنّت کے ذریعے بیانِ قرآن کی مختلف صورتیں

۱۔ بہ حوالہ ''قرآن کریم کے مجمل احکام کی وضاحت''

قرآن کریم کے مجمل مضامین واحکام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریرات یعنی آپ کی سنتِ مبارکہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے بغیر سمجھ پانا ممکن ہی نہیں۔ مثلاً کسی نہ کسی سیاق وسباق میں قرآن کریم میں کوئی ستر سے بھی زیادہ مقامات پر نماز کا ذکر تو آیا ہے مگر اس کے تفصیلی احکام قرآن کریم میں مذکور نہیں ہیں۔ شروع سے آخر تک نماز کیسے ادا کی جائے، قیام، رکوع، سجود، قومے کی ہیئت وکیفیت، قرأت، رکعات کی تعداد، مفسداتِ نماز، نماز کے اوقات، اذان واقامت کے کلمات الفرض فقہی اصطلاح کے مطابق نماز کی شرائط وارکان، سنتیں اور مستحبات، مباحات وموانع پھر فرائض، سنن اور نوافل کی تشریح، اور اسی طرح کے دیگر دینی مسائل کا قرآن کریم کے بعد اہم ترین ماخذ سنتِ رسول ہی تو ہے۔ یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال ہی سے صحابہ کرامؓ کے توسط سے امت کو معلوم ہوا۔ قرآن کریم میں روزے کا حکم ہے مگر تفصیلی احکام موجود نہیں۔ یہ سنت سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً مفسدات صوم کیا ہیں، کن صورتوں میں کفارہ لازم آتا ہے، کن صورتوں میں فدیہ دینے اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، فدیے کی مقدار اور اس کے مستحقین کون ہیں، کون سے وہ حالات ہیں جن میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے وغیرہ امور میں سنت سے ہی صحیح رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کا حکم تو قرآن میں موجود ہے مگر نصابِ زکوٰۃ، زکوٰۃ کی شرح، اس کی مدت، مختلف قسم کے اموال پر زکوٰۃ کا مختلف نصاب، حیوانات، زرعی پیداوار پر زکوٰۃ، عُشر اور خراج کے احکام اور متعلقہ مسائل کی تفصیل سنت ہی سے تو معلوم ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں حج کا حکم موجود ہے لیکن مناسک حج، کلماتِ تلبیہ، احرام باندھنا، طواف کعبہ، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، قیام منیٰ اور وقوف عرفات، رمیِ جمار، رمل کا طریقہ، احرام کے کپڑوں کی تعداد، طواف کے چکروں اور سعی کے اشواط کی تعداد، قربانی کے تفصیلی احکام، کن جانوروں کی قربانی جائز ہے اور کن کی نہیں، حج افراد، حج تمتع، حجِ قران، میقات کی حدود کا تعین وغیرہ کی تفصیل امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال (سنت) ہی کے ذریعے معلوم ہوئی۔ خرید وفروخت، نکاح وطلاق، حدود وتعزیرات، دیت وقصاص، ذبیحے کے مسائل، صلح وجنگ، امن وخوف کی حالتوں میں متعلقہ تفصیلی مسائل اور جزئیات، غیر مسلموں سے تعلقات، ان سے مکاتبت ومعاہدات، تبلیغ کے طریقے وآداب، عیدین کے ایام کا انعقاد، صلوٰۃ الخوف، صلوٰۃ القصر، صلوٰۃ الجنازہ، بچوں کا ختنہ وعقیقہ وغیرہ وغیرہ لاتعداد امور کے متعلق دینی مسائل اور احکام قرآن کریم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے تو معلوم ہوئے۔ اسی طرح حلال وحرام جانوروں اور اشیا، پاک ونجس چیزوں کی پوری تفصیل سنت سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بول وبراز، کتے، گیدڑ، بلی چوہے اور نیولے وغیرہ کا حرام ہونا قرآن میں صراحتاً کہیں بھی مذکور نہیں۔ اسی لیے ایک منکر حدیث محمد صبیح ایڈووکیٹ نے منکرین حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے رسالے طلوع اسلام میں لکھا ہے کہ قرآن میں مذکور چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے، کھانے سے انکار کردینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔(۱۲/ب) یعنی حیوانات میں کتے، گدھے، گیدڑ، بندر، ریچھ، چوہے، نیولے وغیرہ کا اور پرندوں میں چیل، گدھ اور چمگادڑ وغیرہ کا کھانا بھی مباح ہی نہیں بل کہ فرض ہے۔ محمد صبیح جیسے منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے مذکورہ بالا قسم کے جانوروں اور پرندوں کا گوشت ضرور تناول فرماتے ہوں گے۔(جل جلالہ)۔

حلال وحرام جانوروں کے سلسلے میں منکرین حدیث کی غلط فہمی بل کہ بدفہمی کا ازالہ یہاں ضروری ہے۔سورۂ انعام میں فرمایا گیا ہے: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (۱۲/ج) (اے پیغمبر) تو کہہ دے کہ جو میری طرف وحی کیا گیا ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے جو وہ کھائے میں کسی چیز کو حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ مُردار ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نام زد کردیا گیا ہو۔''

اس آیت میں اور اسی طرح بعض دیگر آیات میں جن حرام جانوروں کی بات کی گئی ہے ان سے مراد صرف وہ جانور ہیں جن کے حرام ہونے کے بارے میں اس وقت کے مشرکین کا مسلمانوں سے جھگڑا اور اختلاف تھا۔جن حرام جانوروں مثلاً کتے، گیدڑ، بلی وغیرہ کو مشرکین بھی حرام سمجھتے تھے، انہیں قرآن کریم میں بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔کچھ عرب قبائل عیسائی ہوگئے تھے۔عیسائی خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں۔ اسی طرح عرب مشرکین مردار اور ذبح کیے ہوئے جانوروں کے خونِ رواں کو حلال سمجھتے تھے۔بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے اور ذبح بھی کرتے تھے، اس لئے ایسے جانوروں کے حرام ہونے کا قرآن کریم میں نہایت اہتمام سے ذکر کیا گیا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک یعنی قولی سنت سے جانوروں کی حلت وحرمت کے دو اصول الگ بیان فرمادیے کہ درندوں میں ذوناب (وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذوخلب (وہ پرندہ جو پنجے سے شکار کرے) حرام ہیں۔(۱۳/الف) متنبہ بھی فرما دیا کہ صرف ان ہی جانوروں کو حرام نہ سمجھا جائے جو وحیِ قرآنی کے ذریعے بیان کیے گئے ہیں بل کہ وہ جانور بھی حرام ہیں جن کی حرمت اللہ تعالیٰ نے وحیِ غیر قرآنی کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم پر واضح فرمائی، اور پھر آپ نے اپنی زبان مبارک سے اسے لوگوں پر ظاہر فرمایا: الا انی اُوتیت القرآن و مثلہ معہ الیٰ اٰخر الحدیث (۱۳/ب) ''خبردار! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اتنی ہی مقدار میں اور چیز (حکمت ودانش بذریعہ وحیِ غیر قرآنی) بھی دی گئی ہے۔وہ وقت بھی قریب آنے والا ہے جب ایک بھرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیٹ والا شخص اپنے تکیے (وغیرہ) پر سہارا لگاتے ہوئے (متکبرانہ انداز میں) بڑ ہانکے گا کہ تمہارے لئے صرف یہی قرآن ہی ہے تو تم اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال اور جو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حال آں کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے (وحی غیر قرآنی یا وحیِ غیر کتاب سے) ایسے ہی حرام ٹھہرایا ہے جیسے اللہ نے (وحی قرآنی یا وحی کتاب سے) حرام ٹھہرایا ہے۔ خبردار! تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے اور کچلی دار کوئی بھی درندہ (شیر، بھیڑیا، کتا، گیدڑ وغیرہ) حلال نہیں ہے الیٰ آخر الحدیث۔'' اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال (سنت) کو جو قرآن کی مانند ٹھہرایا گیا ہے اس سے مراد ہے کہ جس طرح اوامر ونواہی قرآن میں ہیں اس طرح آپ نے وحی غیر قرآنی یا وحیِ سنت کے ذریعے بھی اوامر ونواہی امت کو دیئے ہیں اور وحیِ قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی سے ملنے والے یہ احکام اور مضامین یک ساں حجت (واجب التسلیم) ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دونوں طرح کی وحی کی نوعیت ایک جیسی ہے۔ اس سلسلے میں منکرین حدیث کے شبہات بے بنیاد ہیں۔ سنّت کو الفاظ وکلمات میں لوگوں تک پہنچانے کو تحدیث (حدیث بیان کرنا) کہا جاتا ہے اور اس طرح پہنچائی گئی سُنن کو احادیث کہا جاتا ہے۔ راویوں کے اوصاف کے اعتبار سے حدیث صحیح بھی ہوسکتی ہے، ضعیف اور موضوع بھی ہوسکتی ہے لہٰذا محدثین نے ذخیرۂ احادیث کو مرتبے اور مقام میں قرآن کے ہم پلّہ ہرگز قرار نہیں دیا ہے جیسا کہ اس طرح کی روایات سے منکرین حدیث غلط تاثر قائم کر کے فریب دینا چاہتے ہیں۔ ایک شخص نے صحابی رسول حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے کہا، لاتحدثونا الاّ بالقرآن یعنی ہمارے سامنے قرآن کے علاوہ کچھ اور بیان نہ کرو۔ اس پر انھوں نے اس شخص کو سمجھانا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ارأیت لو وکلّت انت و اصحابك الی القراٰن أکنت تجدفیه صلوٰۃ الظهر اربعاً وصلوٰۃ العصر اربعاً والمغرب ثلثا ''بھلا دیکھ تو سہی، اگر تو اور تیسرے ساتھی صرف قرآن پر تکیہ کرلیں تو کیا تو قرآن میں یہ پاسکتا ہے کہ ظہر کی نماز چار رکعت، عصر کی نماز چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت ہوتی ہے؟''۔ اس کے بعد آپ نے مناسک حج کے حوالے سے پوچھا، ارأیت لو وُکلّتَ انت واصحابك الی القراٰن أکنت تجد الطواف بالبیت سبعاً والطواف بالصفا والمروۃ سبعاً ''بھلا تو دیکھ تو سہی، اگر تو اور تیرے ساتھی صرف قرآن پر تکیہ کرلیں تو کیا تجھے قرآن میں یہ بات ملے گی کہ بیت اللہ کا طواف سات مرتبہ اور صفا اور مروہ کا طواف بھی سات مرتبہ ہوتا ہے''۔ پھر آپ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کے حوالے سے قرآنی حکم کے سلسلے میں پوچھا والیدمِن این تقطع أمِن من هٰهنا اومن ههنا، ''چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، یہاں سے یا وہاں سے ؟'' اسی طرح مختلف احکام کا حوالہ دے کر آپ نے ان سے پوچھا کہ ان احکام کی تفصیل بھی قرآن میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود ہیں؟ پھر آخر میں آپ نے فرمایا، انّ کتاب اللہ ابھم ھٰذا وانّ السنّۃ تفسر ذالک (۱۳/ ج) ''بے شک اللہ کی کتاب (قرآن) نے ان باتوں کو مبہم رکھا ہے اور بے شک (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) سنّت ان کی تشریح کرتی ہے''۔

۲: مُبہمات ومشکلات کی توضیح

قرآن کریم کے مجمل احکام کی تفصیل بیان کرنے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مشکلات کا بھی ازالہ فرمایا جو قرآن فہمی میں صحابہ کرامؓ کو پیش آتی تھیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ سورۂ انعام میں ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ O (۱۴/ الف) ''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو شامل نہیں کیا تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو امن حاصل ہوگا اور یہی ہدایت یافتہ ہیں''۔ گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، بہر حال ظلم ہے۔ اس لئے اس آیت کے نزول پر صحابہ کرامؓ کو پریشانی لاحق ہوئی کہ ہم معصوم عن الخطاء تو نہیں ہیں، کوئی نہ کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کبھی صادر ہو ہی جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ (۱۴/ ب)۔ صیام رمضان میں رات کو کھانے پینے کی اجازت ہے۔ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (۱۴/ ج) ''یہاں تک فجر کا سفید دھاگا کالے دھاگے سے نمایاں ہو جائے''۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ سیاہ وسفید دھاگوں سے رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے (کہ صبح صادق سے پہلے تم کھا پی سکتے ہو)۔ (۱۵/ الف) عیسائیوں کے متعلق ہے کہ انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔ (۱۵/ ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ یہ لوگ اپنے علما اور درویشوں کی (بدنی) عبادت نہیں کرتے تھے بل کہ ہوتا یہ تھا کہ ان کے علما جس چیز کو اپنی مرضی سے اپنی طرف سے حلال قرار دیں اسے وہ حلال سمجھتے تھے اور جس چیز کو اپنی خواہش نفس سے حرام قرار دیں اسے وہ حرام سمجھتے تھے (۱۵/ ج) یعنی وہ اپنے علما اور درویشوں کو تشریعی اختیارات کا مالک سمجھتے تھے اور یہی ان کو رب بنانا ہے۔ ٹھیک ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منکرین حدیث اپنے خیال میں اپنے مجوزہ حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) کو تشریعی اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں ہے: وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لا فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ O (۱۶/ الف) ''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے''۔ اس آیت کے نزول پر صحابہ کرامؓ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استفسار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس سے تمہارے باقی ماندہ اموال پاکیزہ ہو جائیں اور اس نے احکام وراثت بھی اسی لئے متعین فرمائے ہیں۔

(۱۶/ب) سورۂ بقرہ میں ہے کہ اسی طرح اللہ نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے: لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (۱۶/ج) ''تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تمہارے لئے گواہی دے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ قیامت کے دن میری امت امم سابقہ کے متعلق گواہی دے گی۔ حضرت نوح علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ کیا تم نے میرا پیغام لوگوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے، ہاں اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ ان کی امت سے پوچھے گا تو وہ انکار کر دے گی اور کہے گی کہ ہمارے پاس کوئی نبی آیا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے پوچھے گا کہ تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے محمد اور اس کی امت میری گواہ ہے۔ اس پر امتِ محمدیہ گواہی دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی گواہی کی تصدیق فرمائیں گے۔

(۱۷/الف) سورۃ النساء میں ہے: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (۱۷/ب) ''جو شخص کوئی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا''۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تشویش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد جہنم کا عذاب ہی نہیں بل کہ مسلمان کو دنیا میں جو بھی کوئی چھوٹی یا بڑی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (۱۷/ج)

۳: نئے پیش آمدہ مسائل میں رہ نمائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال (سنت) سے اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے اہل علم کی رہ نمائی فرمائی ہے۔ قرآن کریم میں موجود کسی شرعی حکم کی علت اگر دوسرے مواقع اور مسائل میں بھی پائی جائے تو ان نئی جزئیات کو بھی قرآنی حکم کے تحت لایا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں دو بہنوں کو بہ یک وقت نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس حکم کی علت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے صلہ رحمی کے شرعی تقاضے پامال ہوتے ہیں۔ چناں چہ آپ نے پھوپھی اور بھتیجی اور اسی طرح خالہ اور بھانجی کو بہ یک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (۱۸/الف) اس سے اہل علم نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر دو عورتوں میں سے ایک کو مرد فرض کر لیا جائے اور اس کا نکاح دوسری عورت سے نہ ہو سکے تو ان دونوں کو بہ یک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ قرآن کریم میں ربا (سود) کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے حرام ہونے کی علت یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ قرض پر جو اضافی منافع قرض خواہ اپنے مقروض سے وصول کرتا ہے تو یہ اضافہ کسی چیز کا عوض نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ چناں چہ سورۂ بقرہ میں سود کے متعلق ارشاد ہے: وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ‌ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ O (۱۸/ب) ''اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے اصل اموال ہیں (یعنی جتنا قرضہ دیا ہے اتنا ہی واپس ملے گا) نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا (کہ مقروض اصل رقم بھی واپس نہ کرے یا کم واپس کرے)''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی علّت کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح کے ہر ناجائز نفع کی ممانعت فرمادی۔ مثلاً مقروض کے مکان میں قرض خواہ اس لیے مفت رہے کہ اس نے مقروض کو قرض دے رکھا ہے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ سریہ ذات السلاسل میں امیر لشکر حضرت عمرؓو بن العاص کو احتلام ہوگیا۔ سردی نہایت شدید تھی اس لئے انھوں نے غسل نہ کیا اور تیمم کر کے صبح کی نماز پڑھادی۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس واقعے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا، اے عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو بہ حالتِ جنابت نماز پڑھائی؟ انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! شدید سردی کی وجہ سے مجھے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اگر میں غسل کرتا تو مرجاتا، حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا O (۱۸/ج) ''اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو (اپنے آپ کو قتل نہ کرو) بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے''۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس دیئے اور کچھ نہ فرمایا۔ (۱۹/الف) (۱) آپ نے اپنے سکوت (سنتِ تقریری) سے حضرت عمرؓو ابن العاص کے اجتہاد و استنباط کی تصویب فرمائی۔ حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی معاملہ فیصلے کے لئے لایا جائے تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تجھے وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میں سنتِ رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر تجھے وہ مسئلہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ دونوں سے نہ ملے؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی سے کام نہیں لوں گا۔ اس پر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا، سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے رسول اللہ کے رسول (قاصد) کو ایسی چیز کی توفیق ارزاں فرمائی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔ (۱۹/ب)

۴: متعلقہ واقعات کی تفصیل

قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں کہ جب تک ان سے متعلق پورا واقعہ معلوم نہ ہو تو ان کا صحیح مفہوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھ پانا ممکن نہیں۔ مثلاً سورۂ حشر میں یہودیوں سے مسلمانوں کی ایک جنگ کا تذکرہ ہے۔ متعلقہ احادیث و روایات کے بغیر ہرگز معلوم نہیں ہوسکتا کہ سورۂ حشر کی متعلقہ آیات کا تعلق غزوۂ بنی نضیر سے ہے۔ اور مثلاً سورۂ منافقون میں ہے کہ یہ منافقین کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں پر اپنے اموال خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو عزت والا ضرور بالضرور وہاں سے ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ (۱۹/ج) متعلقہ احادیث وروایات کے بغیر ہرگز یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ان آیات کا تعلق غزوہ مریسیع یا غزوۂ نبی المصطلق سے ہے، جس میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہوگیا۔ دونوں نے اپنی اپنی جماعت کے لوگوں یعنی مہاجرین وانصار کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو موقع ملا کہ مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا کی جائے۔ اسی نے مذکورہ بالا باتیں کہی تھیں جن کا ذکر سورۂ منافقوں میں ہے۔ ساتھ ہی اللہ نے بتادیا کہ یہ لوگ اپنی سازشوں میں ناکام رہیں گے۔ (۲۰/ الف) اور مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے کہ وادی تیہ میں مُقیم سرکش نبی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب وہ فلاں شہر میں داخل ہوں تو جو غذائی اشیاء وہ اپنے لئے طلب کررہے ہیں وہ سب ان کو وہاں مل جائیں گی، لیکن شہر میں داخل ہوتے وقت فصیل کے دروازے پر اللہ کو سجدہ کرو اور اپنی زبانوں سے ''حِطَّۃٌ'' (معافی اور بخشش) کا کلمہ کہو تو ہم تمہارے سارے گناہ معاف کردیں گے اور نیکوکاروں کو اور بھی اجر دیں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہے: فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِیْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (۲۰/ب) ''تو ان ظالموں نے اس بات کو بدل ڈالا جو انہیں کہی گئی تھی اور اس کے بدلے کچھ اور کہا تو ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے''۔ یہاں متعلقہ احادیث سے ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ شہر میں سجدہ کرنے کی بہ جائے سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ''حطۃ'' کی بہ جائے وہ ''حَبَّۃٌ فی شعرۃ'' (دانہ گندم بالی میں) کہتے رہے اور احکام الٰہی کا مذاق اڑانے کی وجہ سے عذاب الٰہی کا شکار ہوئے۔ (۲۰/ج) اور مثلاً سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کے متعلق اہم تاریخی جزئیات مذکور ہیں لیکن پوری سورت میں کہیں بھی ''اُحد'' پہاڑ کا نام تک نہیں دیا گیا۔ اور مثلاً سورۂ توبہ میں غزوۂ تبوک کے کچھ حالات بیان کیے گئے ہیں لیکن کہیں بھی لفظ ''تبوک'' موجود نہیں ہے۔ متعلقہ احادیث وروایات سے غزوۂ احد اور غزوۂ تبوک کی تفصیلات معلوم کئے بغیر ان سورتوں کے مضامین کو پوری طرح سمجھنا مشکل ہے۔

۵: قرآن پر زائد مضامین واحکام

بعض احادیث ایسے مضامین اور احکام پر مشتمل ہیں جن کا قرآن کریم میں اثباتاً یا نفیاً صریح ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ملتا۔ مثلاً وہ احادیث جن میں شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کا حکم ملتا ہے۔ وہ احادیث جن میں دادی کی وراثت کا ذکر اور متعلقہ احکام ہیں۔ وہ احادیث جن کا تعلق شفعہ اور خرید و فروخت کی متعدد اقسام سے ہے وغیرہ۔ اسی طرح وہ احادیث جو حلال و حرام جانوروں کے متعلق ہیں۔ درندوں میں ذو ناب یعنی کچلیوں سے شکار کرنے والے اور پرندوں میں ذو مخلب یعنی پنجے سے شکار کرنے والے حرام ہیں۔ (۲۱/ الف) اور مثلاً مردوں کے لئے ریشم پہننا اور سونے کے زیورات وغیرہ کا استعمال حرام ہے۔ (۲۱/ ب) قرآن پر زائد اس طرح کے بہت سے مسائل اور احکام کتب احادیث میں موجود ہیں۔ قرآن پر زائد انہیں اس معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق قرآن کریم میں کوئی صریح حکم یا مضمون نہیں پایا جاتا ورنہ شریعت کے تمام احکام و مسائل کا اولین ماخذ قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بارہا حکم دیا گیا ہے اور آپ کی معصیت پر سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ سورۂ حشر میں ہے کہ اللہ کا رسول جو تمہیں دے اسے قبول کرو اور جس چیز سے وہ منع کرے اس سے رک جاؤ۔ اس لئے یہ کہنا بالکل درست اور بجا ہے کہ تمام احکام شرعیہ کی اصل قرآن میں موجود ہے۔

۶: قرآنی مضامین کی مؤید احادیث

بہت سی احادیث ایسی ہیں جو قرآن کریم میں مذکور مضامین و احکام کی تائید کرتی ہیں اور اجمال و تفصیل میں ان کے موافق ہیں۔ مثلاً عبادات نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا قرآن کریم میں بتایا گیا ہے تو اس مضمون کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد سے مزید تائید و توثیق فرمادی کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا (۲۱/ ج) قرآن کریم میں عقائد توحید، رسالت، آخرت، حیات بعد الموت، فرشتوں، آسمانی کتابوں، قضاء و قدر کے اثبات اور شرک کے ابطال پر نہایت مفصل مضامین ہیں۔ جنھیں بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے اور ضرب الامثال سے بھی سمجھایا گیا ہے۔ نکاح و طلاق، خرید و فروخت، معاشرتی آداب و اخلاق وغیرہ کے متعلق بھی نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ جن جانوروں کے حرام ہونے میں مشرکین کا مسلمانوں سے اختلاف تھا اور وہ انہیں حلال سمجھ کر کھایا کرتے تھے ان کے حرام ہونے کا بھی قرآن کریم میں متعدد مرتبہ اعلان کیا گیا۔ تورات میں بنیادی نوعیت کے دس احکام دئے گئے ہیں جنھیں احکام عشرہ کہا جاتا ہے یہودی ان پر بہت فخر کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں کہیں زیادہ بہتر انداز میں اور نہایت ہی پُرزور اور مؤثر زبان میں اس طرح کے احکام کو سورۂ انعام اور سورۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنی اسرائیل میں بیان کیا گیا ہے۔ (۲۲/ الف) کیوں کہ اس طرح کے تمام امور کا تعلق دین کے اصول وکلیات سے ہے۔ قتل ناحق، زنا، چوری، ڈاکہ، نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، سود، شراب، جو اس طرح کے نہایت قبیح جرائم عرب معاشرے میں عام تھے۔ ان سب برائیوں سے قرآن کریم میں سختی سے منع کیا گیا اور معصیت پر سخت سزاؤں کی وعیدیں سنائی گئیں۔ امم سابقہ کے واقعات اور عبرت آموز قصص بھی بیان کئے گئے۔ اس طرح کے تمام مضامین کی مزید تائید وتوثیق احادیث نبویہ سے بھی بھرپور انداز میں ہوتی ہے تاکہ اہل باطل کی طرف سے قرآن کریم کی معنوی تحریف کے دروازے بند کردیئے جائیں۔

۵: پرویزی منکرین حدیث کا تصور مرکزِ ملت

الف بہ حوالہ ''مفروضہ مرکز ملت کی منصبی حیثیت'':

منکرین حدیث کے امام مسٹر غلام احمد پرویز نے لکھا ہے ''اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اس میں اللہ اور رسول سے مراد ہی ''مرکز ملت (Central Authority) ہے اور سے مفہوم ''افسران ماتحت'' (۲۲/ ب) نیز لکھا ہے ''جن جزئیات کو بدلنے والے احوال وظروف کے مطابق قابلِ اولی الامر تغیر سمجھا گیا انہیں قرآن نے بلاتعین چھوڑ دیا کہ ہر زمانہ میں ان کا تعین خود کرلیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے احوال واقتضاءات کے مطابق بہ حیثیت مرکز دین ان کا تعین فرمایا۔ بعد میں آنے والے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان میں ردوبدل کرسکتے ہیں۔ اگر ان میں ردوبدل کا امکان واختیار نہ ہوتا تو ان جزئیات کا تعین قرآن ہی کردیتا''۔ (۲۳/ الف) پرویز نے اپنے استاد محمد اسلم جیراجپوری کی اندھی اور بہری تقلید میں اپنی زبان اور قلم سے ''مرکزِ ملت'' کا جو تصور پیش فرمایا ہے اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے مجمل مضامین واحکام کی تشریح وتوضیح میں جو دینی مسائل اور جزئیات امت کو بتائیں اور جو ایسے اوامر ونواہی وغیرہ جاری فرمائے جن کا قرآن میں صراحتاً کوئی ذکر نہیں تو یہ سب کچھ آپ نے کسی وحی کی بنا پر نہیں کہا بل کہ امت مسلمہ کے پہلے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے ازخود یا صحابۂ کرام کے مشورے سے کیا۔ ہر دور کے حاکمِ اعلیٰ کو یہ منکرین حدیث ''مرکز ملت اور مرکز دین'' قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ حیثیت اولین ''مرکز ملت'' قرآن پر زائد دینی جزئیات اپنے زمانے حالات اور تقاضوں کے مطابق متعین فرمائی تھیں اور بعد میں آنے والا ہر ''مرکز ملت'' اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق ان میں ترمیم وتنسیخ اور تغیر وتبدل کا مکمل طور پر مجاز ومختار ہے۔ پس قرآن کریم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں کہیں بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کا یا رسول کی اطاعت کا حکم آیا ہے تو اس سے ہر دور کا حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) مراد ہے۔ چناں چہ پرویز نے اپنی کتاب معراج انسانیت میں لکھا ہے۔ ''اس آیتِ مقدسہ (اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم الأیۃ) کا مفہوم بالکل واضح ہے جس میں اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکز ملت ہے، اور اولی الامر سے مفہوم افسران ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو بہ جائے اس کے کہ وہیں منافشات شروع کر دو، امر متنازع فیہ کو مرکزی حکومت کی طرف Refer کر دو۔ مرکز کا فیصلہ سب کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ یعنی اس نظام میں مقامی افسروں کے فیصلوں کے خلاف مرافعے (اپیل) کی گنجائش باقی رکھی گئی ہے''۔ (۲۳/ب) غلام احمد پرویز کے استاد محمد اسلم جیراجپوری نے لکھا ہے'' دین کی ضروریات قرآن کی اتباع اور امامتِ وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں۔ امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضائے زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا اور اس میں وحدتِ مرکزی قائم رکھے گا اور متفرق نہ ہونے دے گا''۔ (۲۳/ج) غلام احمد پرویز نے اس کی وضاحت یوں کی ہے''......نظام قرآن میں اطاعت مرکز ملت کی ہے اور چوں کہ یہ مرکز قوانین خداوندی کی تنفیذ کرتا ہے اور پہلا مرکز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، اس لئے قرآن میں مرکز قوانین خداوندی کی تنفیذ کرتا ہے اور پہلا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی اس لئے قرآن میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے''۔ (۲۳/د)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کا مذکورہ بالا تصور ''مرکز ملت'' امت مسلمہ کے لئے قابل قبول ہوسکتا ہے یا نہیں؟۔ اگر کہا جائے کہ ہرگز ہرگز نہیں، کیوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے کھلی بغاوت ہے تو یہی بات درست ہے۔ اگر مرکز ملت کے اس تصور کو (ناحق) صحیح قرار دیا جائے تو یہ قول درج ذیل توضیحات کی بنا پر یک سر مردود، ملعون اور باطل ہے:

ا۔ ''مرکز ملت'' کے مذکورہ تصور کی بنیاد اس فریب اور جھوٹ پر رکھی گئی ہے کہ جن دینی جزئیات کو قران نے بلاتعین چھوڑ دیا ہے، ان میں ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کا حق ہر حاکم اعلیٰ (مرکزِ ملت) کو حاصل ہے، ورنہ ان جزئیات کو بھی لازماً قرآن ہی متعین کر دیتا۔ اس موقف کا قطعاً غلط ہونا اسی سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن خود بہ خود کہیں سے نہیں آ ٹپکا تھا بل کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے آپؐ پر نازل فرمایا۔ اگر قرآن نے کچھ یا اکثر دینی جزئیات کو بلاتعین چھوڑ دیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مُنزلِ قرآن (...) نے ... چھوڑ دیا ہے، تاکہ لوگ اپنی من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مانی کرتے پھریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر قرآن اتارا تو آپ سے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ اس قرآن کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ O (۲۴/الف) جو چیز پہلے ہی سے صاف، کھلی اور واضح ہو وہ بیان کی محتاج ہی کب ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا مطلب ظاہر و باہر ہے کہ قرآن کے جو مضامین و احکام مجمل ہیں، آپ کے لئے ان کی تشریح و توضیح خود اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا اور جو دینی مسائل اور جزئیات قرآن میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں ان پر بھی خود اللہ تعالیٰ ہی آپ کو مطلع فرمائے گا۔ بہ الفاظ دیگر جس اللہ نے قرآن آپ کو دیا ہے صرف اور صرف وہی اللہ، وہی خالق کائنات، وہی سب جہانوں کا پروردگار بیانِ قرآن بھی آپ کو عطا فرمائے گا۔ پس قرآن پر زائد دینی جزئیات اور مسائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی، اپنی صواب دید، اپنی رائے اور اپنی خواہش نفس سے یا صحابہ کرامؓ سے مشورے سے ہرگز (پھر دہرائیے) ہرگز متعین نہیں فرمایا بل کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ و بشارت خود متعین فرما کر اپنے رسول کو ان سے باخبر کیا، کیوں کہ شارع حقیقی صرف اور صرف وہی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنت مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ان دینی مسائل جزئیات اور احکام کو امت پر ظاہر فرمایا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (۲۴/ب) ''اور (یہ پیغمبر) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے''۔ آیت میں ضمیر ''ھو'' کا مرجع قرآن نہیں بل کہ نطق رسول ہے، اور دینی معاملات میں رسول کا بولنا قرآنی اور غیر قرآنی وحی پر مبنی ہے، آپ کی خواہش نفس پر ہرگز مبنی نہیں۔

۲: اللہ تعالیٰ دین سے کے متعلق اپنے پیغمبر کو جو کچھ بھی بتاتا ہے بہ ذریعہ وحی بتاتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کتاب (تورات) کے علاوہ وحیِ غیر کتاب (غیر توراتی وحی) کا نزول بھی بہ کثرت ہوا ہے بعینہ اسی طرح سید الانبیا و خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وحیِ کتاب (قرآن) کے علاوہ وحیِ غیر کتاب (غیر قرآنی وحی) کا نزول بھی بہ کثرت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے سلسلۂ کلام میں فرمایا تھا: وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى O اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ O (۲۴/ج) ''اور (اے موسیٰ) بے شک میں نے تجھے (رسالت کے لئے) چن لیا ہے سو جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے اسے تو خوب غور سے سن۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر''۔ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہی حضرت موسیٰؑ کی رسالت کا ظہور ہو گیا اور کوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر آپ سے پس پردہ اپنے کلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی قرار دیا۔ اس وقت دنیا میں تورات کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا، یہ تو آپ کو سال ہا سال کے بعد فرعون اور آل فرعون کے غرق ہونے کے بعد کہیں جا کر ملی تھی۔ فرعون سے کش مکش کے ایام میں بھی سال ہا سال تک آپ پر وحی کا نزول ہوتا رہا جو یقیناً غیر توراتی وحی تھی۔ تورات کا نزول تو بعد میں ہوا تھا۔ یہ وحیِ غیر کتاب (غیر توراتی وحی) بھی لوگوں پر وحی کتاب (توراتی وحی) کی طرح حجّت اور واجب التسلیم تھی، ورنہ فرعونیوں کو ہلاک نہ کیا جاتا۔ کوہ طور پر آپ کو جو وحی ملی اس میں نماز قائم کرنے کا بھی ذکر ہے پس نماز قائم کرنے کا طریقہ آپ کو یقیناً غیر توراتی وحی ہی سے حاصل ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی احکام کا تعیّن صرف وحیِ کتاب سے ہی نہیں بل کہ وحیِ غیر کتاب سے بھی ہوتا ہے۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے پس پردہ کلام کے علاوہ وحیِ کتاب اور وحیِ غیر کتاب دونوں طرح کی وحی بھی اتاری تو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی نزول وحی کی تینوں صورتوں سے یقیناً شرف یاب ہوئے، کیوں کہ آپ کا مقام و مرتبہ تو تمام انبیا علیہم السلام سے بلند و برتر ہے اور آپ سب کے سردار ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراتی اور غیر توراتی دونوں طرح کی وحی نازل ہوئی، آپ پر بھی اسی طرح قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی نازل ہوئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر پس پردہ کلام فرمایا اسی طرح معراج کے موقع پر آپ سے بھی پس پردہ کلام فرمایا۔ جس طرح دینی مسائل و جزئیات اور شرعی اوامر و نواہی کا تعیّن موسوی شریعت میں توراتی اور غیر توراتی دونوں طرح کی وحی سے ہوا، بعینہ اسی طرح دینی جزئیات اور احکام و مسائل کا تعین شریعت محمدیہ میں قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی سے ہوا۔ جس طرح یہ کہنا جھوٹ ہے کہ موسوی شریعت میں جن جزئیات کا تعین تورات نے نہیں کیا تھا، وہ حضرت موسیٰ نے از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے متعین کر لی تھیں، بعینہ اسی طرح یہ کہنا بھی سراسر جھوٹ اور فریب ہے کہ جن دینی جزئیات کا تعین قرآن نے نہیں کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے متعین کر لی تھیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ وحی کتاب میں کسی بھی فرد یا گروہ کو، کسی بھی حاکم یا محکوم کو تغیر و تبدل اور ترمیم و تنسیخ کا ہرگز کوئی حق اور اختیار حاصل نہیں ہے، بعینہ اسی طرح کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اس وحی غیر کتاب میں بھی تغیر و تبدل اور ترمیم و تنسیخ کا ہرگز کوئی حق حاصل نہیں ہے، جسے پیغمبر اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنت اور اپنے اسوۂ حسنہ سے لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر پر نزول وحی کی سورۂ شوریٰ میں تین صورتیں بیان فرمائی ہیں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِيْمٌ O (۲۵/الف) ''اور کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام رساں (فرشتے) کو بھیجے تو وہ اللہ کے حکم سے جو چاہے وحی کرے بے شک وہ (اللہ) نہایت بلند و برتر (اور) حکمت والا ہے''۔ یہاں پس پردہ کلام کے علاوہ فرشتہ بھیج کر اور فرشتہ بھیجے بغیر وحی کی دو صورتیں (یعنی وحی ملکی اور وحی غیر ملکی) بیان کی گئی ہیں۔ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف وحی ملکی سے حاصل ہوا ہے، چناں چہ وحی کے فرشتہ حضرت جبرئیلؑ کے متعلق سورۂ بقرہ میں ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲۵/ب) ''تو (اے پیغمبر!) بے شک اس (جبرئیل) نے اس (قرآن) کو اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اتارا ہے''۔ سورۂ شوریٰ میں ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ O عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ O (۲۵/ج) ''(اے پیغمبر!) اس (قرآن) کو امانت دار فرشتے (جبرئیل) نے تیرے دل پر اتارا ہے، تاکہ تو (لوگوں کو) آگاہ کرنے والوں میں سے ہو جائے''۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وحی غیر ملکی کا بھی آپ پر نزول ہوا ہے یا نہیں، تو اوپر ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جس طرح تینوں طرح کی وحی کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا تو سید الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تینوں طرح کی وحی سے یقیناً فیض یاب ہوئے آپ کا مرتبہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بل کہ تمام انبیائے کرام سے بہت بہت بلند ہے۔

۳: اوپر نکتہ نمبر ا میں بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن ہی عطا نہیں فرمایا بل کہ حسب وعدہ و بشارت بیان قرآن بھی آپ کو عنایت فرمایا اور اوپر نکتہ نمبر ۲ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ پر قرآنی اور غیر قرآنی، ملکی اور غیر ملکی دونوں طرح کی وحی کا نزول ہوا ہے۔ اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ بیانِ قرآن سارے کا سارا خود قرآن کے اندر ہی موجود ہے تو یہ دعویٰ متعدد وجوہ کی بنا پر باطل ہے:

اوّلاً جیسا کہ اوپر نکتہ نمبر ۲ میں بتایا جا چکا ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف وحی ملکی کے ذریعے نازل ہوا ہے تو جو غیر ملکی وحی آپ پر نازل ہوئی وہ کس مقصد کے لئے نازل ہوئی اور یہ وحی کدھر چلی گئی؟ ظاہر ہے کہ بیان قرآن کا بہت بڑا حصہ آپ کو غیر ملکی وحی کے ذریعے حاصل ہوا۔ اگر قرآن فہمی اس وحی پر موقوف نہیں تھی تو آپ سے بیان قرآن کا ربانی وعدہ اور اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے آپ پر وحی غیر ملکی کا نزول (معاذ اللہ) عبث قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف کسی عبث کام کو منسوب کرنا بالاتفاق کفر ہے۔ اگر قرآن فہمی اس بیان قرآن پر موقوف ہے اور بیان قرآن ہم تک محفوظ طریقے سے پہنچا ہی نہ ہو تو قرآن کا محفوظ کتاب ہونا (معاذ اللہ) بے کار اور عبث ہوا۔ اس مفروضے کو صحیح تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف پھر عبث کام کو منسوب کرنا پڑے گا۔ پس لامحالہ اس حقیقت ثابتہ کو تسلیم کئے بغیر چارہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کہ چوں کہ قرآن کریم کو سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا اس بیان قرآن کے بغیر ممکن نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تر وحی غیر ملکی اور وحی غیر قرآنی سے حاصل ہوا، جسے آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (یعنی اپنی سنّت) کے ذریعے امت تک پہنچایا، تو یہ بیان قرآن بہ صورت سنّت اسی طرح محفوظ ومعتبر ہے جیسے قرآن کریم محفوظ ومعتبر ہے چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی سُنن کا بہت بڑا حصہ اسی طبقاتی وعملی تواتر وتسلسل سے امت تک منتقل ہوتا چلا آیا ہے، جیسے قرآن طبقاتی وعملی تواتر سے منتقل ہوا ہے کوئی بدباطن اور کور چشم ہی اس بدیہی حقیقت کبریٰ کا انکار کرسکتا ہے۔

ثانیاً اگر بیانِ قرآن سارے کا سارا خود قرآن میں یہی ہوتا تو قرآن تمام دینی جزئیات اور مسائل کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا۔ حال آں کہ منکرین حدیث کو بھی اس کا بھرپور اعتراف ہے کہ قرآن میں ساری دینی جزئیات موجود نہیں ہیں۔ محمد اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں" ...... اس تمام عرصے میں توجہات کا مرکز حدیث ہی رہی (یا فقہ جو احادیث کی روشنی میں مرتب کی جاتی رہی) اس لئے کہ قرآن کریم میں احکام بہت تھوڑے تھے اور زندگی کی عملی ضروریات ان سے کہیں زیادہ"۔ (۲۶/ الف) نیز جیراجپوری صاحب نے یہ بھی لکھا ہے "ہمارا ایمان ہے کہ قرآن تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کی ہدایت قیامت تک نافذ العمل رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ضابطۂ ہدایت میں ہر قسم کے مسائل ومعاملات کے لئے جزئی اور فرعی احکام نہیں دئے جاسکتے تھے"۔ (۲۶/ ب)۔

ثالثاً اگر بیانِ قرآن سارے کا سارا خود قرآن کے اندر ہی موجود ہوتا تو وہ کون سی دینی جزئیات اس سے باہر رہ جاتیں جن کو متعین کرنے کے لئے منکرین حدیث ہر دور کے حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) کو مجاز و مختار ٹھہرا رہے ہیں۔ پس خود منکرین حدیث کے اپنے مفروضات اور خیالات کے تحت یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ بیان قرآن صرف قرآن کے اندر ہی نہیں بل کہ قرآن سے باہر بھی ہے۔ منکرین حدیث اس بیان قرآن کا حق ہر دور کے اپنے مفروضہ مرکز ملت کو سونپتے ہیں، حال آں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس قرآن کا بیان ہمارے ذمے ہے اور بیان قرآن کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کے ذریعے بھی پورا فرمایا، جیسا کہ اوپر نکتہ نمبر۲ میں واضح کیا جاچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بہ کثرت نزول بھی اسی طرح ہوا ہے، جیسے حضرت موسیٰ پر تورات کے علاوہ غیر توراتی وحی کا نزول بھی بہ کثرت ہوا ہے۔

رابعاً اگر بیانِ قرآن سارے کا سارا قرآن ہی میں ہوتا تو قرآن کا حجم کئی گنا بڑھ جاتا اور امتِ مسلمہ کے لئے اس کی صدری حفاظت اور زبانی تلاوت نہایت دشوار ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴: مندرجہ بالا وضاحتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے غلام احمد پرویز کی اس عبارت پر دوبارہ نظر ڈالئے: ''جن جزئیات کو بدلنے والے احوال وظروف کے مطابق قابلِ تغیر سمجھا گیا انہیں قرآن نے بلا تعین چھوڑ دیا کہ ہر زمانے میں ان کا تعین خود کرلیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے احوال اور اقتضائات کے مطابق بہ حیثیت مرکز دین ان کا تعین فرمایا۔ بعد میں آنے والے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان میں ردوبدل کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں ردوبدل کا امکان واختیار نہ ہوتا تو ان جزئیات کا تعین بھی قرآن ہی کر دیتا''۔ (۲۶/ج) جھوٹ اور فریب پر مبنی اس عبارت کو (مثلاً) یوں کر دیا جائے تو پرویز کے عقیدت مندوں کو فریب کے جال سے باہر نکلنے میں خاصی آسانی رہے گی:

''جن جزائیات اور مسائل کو قرآن نے بلا تعین چھوڑ دیا، یعنی جن جزئیات کا تعین اللہ تعالیٰ نے قرآنی وحی میں نہیں کیا تو ان کا تعین اللہ تعالیٰ نے غیر قرآنی وحی سے فرما دیا: کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف قرآن عطا فرمایا بل کہ اسی قرآن میں بیان قرآن عطا فرمانے کا وعدہ بھی آپ سے فرمایا۔ قرآن کریم کے کئی احکام مجمل ہونے کی وجہ سے وضاحت طلب ہیں۔ مثلاً اقامتِ صلوٰۃ (نماز قائم کرنے کا) حکم قرآن میں بار ہا دیا گیا ہے اور نماز کو اللہ کا ذکر قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر اسی طریقے سے کرو جیسے خود اللہ نے تمہیں بتایا ہے۔ چناں چہ صلوٰۃ الخوف کے ضمن میں سورۂ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے: فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ○ (۲۷/الف) ''پھر جب تم حالتِ امن میں آجاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے اس کی وہ تعلیم دی جسے تم (پہلے) نہیں جانتے تھے''۔ ادھر پورے قرآن میں مثلاً یہ مضمون نہیں ہے کہ فرض نماز کی فجر میں دو، مغرب میں تین اور ظہر، عصر وعشا میں چار چار رکعات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے بغیر محض اپنی طرف سے رکعات کی تعداد اور نماز کے دیگر متعلقہ مسائل اس لئے متعین نہیں فرما سکتے تھے کہ قرآن میں یہ حکم ہے کہ نماز کے ذریعے تم اللہ کا ذکر اسی طریقے سے کرو جیسے اس نے تمہیں خود بتایا ہے۔ پس یہ طریقہ لازماً اور یقیناً آپ کو غیر قرآنی وحی سے بتایا گیا، جسے آپ نے اپنے اقوال وافعال سے لوگوں پر ظاہر فرمایا۔ چناں چہ سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر پر نزولِ وحی کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ پس پردہ بہ راہ راست کلام کے علاوہ پیغمبر پر وحی نازل کرنے کی بقیہ دو صورتیں فرشتہ بھیج کر اور فرشتہ بھیجے بغیر وحی نازل کرنے کی ہیں۔ قرآن سارے کا سارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ملکی کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ پس بیانِ قرآن پر مشتمل وحی کا بہت بڑا حصہ آپ کو وحی غیر ملکی کے ذریعے حاصل ہوا۔ اس بات پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ قرآنی وحی میں الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، لیکن غیر قرآنی وحی رسول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر و بیشتر معانی کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔ آپ نے ان معانی کو اقوال و افعال کا جامہ خود اپنی طرف سے پہنایا ہے۔ یعنی قرآنی وحی کے علاوہ قرآن پر زائد آپ کے دین کے بارے میں اقوال وحی پر مبنی ہونے کے باوجود انسانی کلام ہیں جب کہ قرآنی وحی اللہ کا کلام ہے۔ کلام اللہ کے ساتھ انسانی کلام کو یک جا نہیں کیا گیا۔ نیز جس غیر قرآنی وحی کو آپ نے اپنے اقوال سے نہیں بل کہ افعال سے ظاہر فرمایا ہے تو وحی پر مبنی آپ کے ان افعال کو صحابہ کرامؓ نے اپنے الفاظ وکلمات میں پیش کیا ہے۔ صحابہ و تابعین کے کلام کو اللہ کے کلام کے ساتھ یک جا کرنا اور بھی نامناسب ہے۔ غیر قرآنی وحی پر مبنی آپ کے کئی افعال ایسے بھی ہیں جنہیں صحابہ و تابعین نے بھی الفاظ وکلمات کی بہ جائے افعال ہی کی صورت میں آگے منتقل کیا ہے۔ یعنی وحی پر مبنی آپ کے کئی افعال ہم تک تعامل امت سے پہنچے ہیں۔ قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ اقوال کے ساتھ افعال کو کتاب میں یک جا کرنا عقلاً ممکن نہیں۔ غیر قرآنی وحی کا آپ پر نزول اکثر و بیشتر معانی کی صورت میں ہوا ہے اور انہیں آپ نے اپنے اقوال و افعال سے امت پر ظاہر فرمایا ہے۔ آپ کے کلام کا مقدس اور بابرکت ہونا اپنی جگہ پر مسلم ہے، لیکن یہ کلامُ اللہ کے مساوی ومتوازی ہو کر کلامُ اللہ والی اعجازی شان کا حامل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے قرآنی اور غیر قرآنی وحی کو یک جا نہیں کیا گیا۔ مزید براں اگر تمام دینی جزئیات اور فروعی مسائل صرف وحی قرآنی ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتے تو قرآن کا حجم کئی گنا بڑھ جاتا، اور لوگوں کے لئے اس کی صدری حفاظت اور تلاوت سخت دشوار ہوتی۔ باقی رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر پر نزول وحی کی صرف ایک ہی صورت کیوں نہ متعین فرمادی تاکہ قرآنی اور غیر قرآنی وحی کے یک جا ہونے یا نہ ہونے کی بحث ہی پیدا نہ ہوتی، تو اس کا جواب سورۂ شوریٰ کی متعلقہ آیت کے آخر میں یہ دیا گیا ہے: اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ○ (۲۷/ب) ''بے شک وہ (اللہ) نہایت بلند و برتر (اور) صاحب حکمت ہے''۔ چوں کہ وہ نہایت ہی بلند و برتر ہے تو مخلوق کو اس کے کسی کام پر اعتراض اور شکایت کا حق نہیں، جو ایسا کرے گا وہ ابلیس کی طرح ذلیل وخوار اور ملعون ومردود ہوگا۔ بس ہر عقل مند کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس کے کسی کام کی حکمت کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور یہاں یہ حکمت تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ اگر دین کے سب اصولی اور فروعی احکام ایک ہی طرح کی وحی سے یک جا کرائے جاتے تو قرآن تو کئی ضخیم جلدوں میں ہوتا اور اس کی تلاوت و صدری حفاظت لوگوں کے لئے نہایت ہی دشوار ہوتی۔ پس جو دینی فروع اور مسائل قرآن میں نہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ وحی پر مبنی نہیں اس لئے یہ ہر دور میں قابل تغیر و تبدیل ہیں ... کہ جو مسائل ... وحی پر مبنی ... نہ ہوں انہیں ''دین'' قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینا ہی بہت بڑی حماقت ہے۔ اگر وحی کے بغیر مسائل گھڑے جائیں تو سچے دین اسلام اور دیگر جھوٹے مذاہب وادیان میں فرق ہی کیا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے کا سارا دین وحی کے ذریعے ہی دیا گیا خواہ یہ وحی حقیقی ہو یا حکمی ہو، خواہ قرآنی ہو یا غیر قرآنی ہو، خواہ ملکی ہو یا غیر ملکی ہو۔ الغرض نزولِ وحی کی تین متعینہ صورتوں میں سے جس صورت اور جس طریقے سے بھی آپ پر وحی نازل ہوئی وہ سب کی سب یقیناً سب پر حجت اور سب کے لئے واجب التسلیم ہے "بدلتے ہوئے احوال وظروف" کے عذرِ لنگ کے تحت جس طرح قرآنی وحی میں کسی تغیر وتبدل اور ترمیم وتنسیخ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں، اسی طرح غیر قرآنی وحی بھی دائمی، آفاقی اور ناقابل تغیر وتبدل ہے۔ اللہ کی وحی میں لوگوں کو تغیر وتبدل اور ترمیم وتنسیخ کا حق سونپ دیا جائے تو وحی کی قدر وقیمت ہی کیا رہے گی اور اس کا پیغمبر پر نازل ہونا (معاذ اللہ) قطعاً بے مقصد اور لایعنی قرار پائے گا۔"

۵۔ منکرین حدیث "زمانے کے تقاضوں، زمانہ کے تقاضوں" کی بار بار گردان دہراتے رہتے ہیں اس کے پیچھے ان کے نہایت مذموم مقاصد کارفرما ہیں۔ کسی بھی قول وفعل کے پیچھے جو نیت اور ذہنیت کام کررہی ہوتی ہے، اسی کے پیش نظر اس قول وفعل کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص حسبنا اللہ و نعم الوکیل (اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) کا کلمہ اس نیت سے دہراتا رہتا ہے کہ اللہ کے بعد مجھے کسی رسول کی ضرورت نہیں تو یہ بابرکت کلمہ بھی اس کے خلاف کلمۂ کفر بن جائے گا۔ منکرین حدیث "بدلتے ہوئے احوال وظروف اور زمانے کے لئے تقاضوں" کی رٹ لگائے رکھتے ہیں، اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہود ونصاریٰ، مشرکین اور دہریوں کے ملحدانہ افکار و نظریات کو امت مسلمہ میں درآمد کرنے کے لئے یوں راہ ہموار کریں کہ سدِ راہ بننے والے حقیقی بیان قرآن (سنت رسول) کا تو کھلا انکار کردیں اور قرآن کریم کی انتہائی شرمناک اور خبیث ترین معنوی تحریف کرکے اس کو غیر مسلموں کے ملحدانہ افکار ونظریات کے یوں تابع مہمل بناکر رکھ دیں کہ ابلیس بھی اس پر حیران وشرمندہ اور انگشت بہ دنداں ہوکر رہ جائے۔ زمانے کے تقاضوں، بدلتے ہوئے احوال و ظروف سے ناقابل تغیر وتبدل حقائق ثابتہ قطعاً متاثر نہیں ہوا کرتے۔ اللہ کے دین کے اندر کوئی نیا کام کرنے (احداث فی الدین) کی تا قیامت کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن دین کی خدمت، اس کے تحفظ اور اسے عملی زندگی میں بروئے کار لانے کے لئے زمانے کے تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات کے تحت نئے نئے کاموں اور طریقوں (احداث الدین) کے اختیار کرنے اور اپنانے میں یقیناً بڑی وسعت اور گنجائش ہے۔ مثلاً دین کی حفاظت کے لئے قتال فی سبیل اللہ کا حکم اور اس کے متعلقہ مسائل ناقابل تغیر وتبدل ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن زمانے کے تقاضوں کے مطابق قتال فی سبیل اللہ کے طریقے اور ذرائع یقیناً بدلتے رہیں گے۔ دور حاضر میں دشمن سے جنگ نیزوں، تلواروں اور تیروں سے نہیں بل کہ جدید ترین اسلحہ اور تازہ ترین فنی مہارت اور حربی طریق کار کو اختیار کرنا ہوگا۔ حکام کا کام احکام شریعت کا عملی زندگی میں نفاذ/اجرا ہے جس کے لئے وہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق جو بھی نئی تدابیر اختیار کریں اور تدبیر وانتظام کے دائرے میں رہتے ہوئے جو بھی قانون سازی کریں وہ اس کے مکمل مجاز و مختار ہیں۔ لیکن دینی مسائل وجزئیات کی تعیین (شریعت سازی) کے لئے کسی بھی زمانے میں کسی بھی بہانے سے، کسی بھی فرد یا افراد کو نجی یا ریاستی سطح پر حق حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور مثلاً عجمیوں کے لئے قرآن کریم کو سمجھنا عربی زبان سیکھنے پر موقوف ہے۔ کوئی بھی زبان سیکھنے اور سکھانے کے لئے وقت کے تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات اور مشاہدات وتجربات کے تحت جدید ترین وسائل وذرائع کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے، اور یہ ہرگز ضروری نہیں کہ دور حاضر میں عربی زبان کا سیکھنا اور سکھانا صرف ونحو کی پرانی کتابوں مثلاً شافیہ اور کافیہ پر موقوف ہو۔ لیکن نئے تقاضوں کا یہ مطلب نہیں کہ ان تقاضوں کی آڑ میں کسی کو قرآن کریم کے متن میں تغیر وتبدل کا، قرآنی آیات اور سورتوں کو مقدم ومؤخر کردینے کا حق حاصل ہوسکتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اس بیان قرآن میں کسی ترمیم وتنسیخ یا تغیر وتبدل کا حق اور اختیار حاصل ہوسکتا ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنت اور اپنے اسوۂ حسنہ سے امت پر ظاہر فرمایا ہے۔

۶۔ یہاں ایک دل چسپ سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب منکرین حدیث کے نزدیک ان کا ہر مفروضہ ومجوزّہ مرکز ملت رسول ہوگا، کیوں کہ ان کے نزدیک (جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں باحوالہ بیان کریں گے) نبوت ختم ہوئی مگر رسالت جاری ہے تو جب تک ان حضرات کا مفروضہ قرآنی نظام اور مفروضہ مرکز ملت وجود پذیر نہیں ہوتا تو یہ منصب رسالت کون سنبھالے گا؟ جواب واضح ہے کہ پرویز صاحب جیسے باصلاحیت لوگوں کی قائدانہ مساعی سے ہی تو مفروضہ قرآنی نظام کا تصور برقرار رہ سکتا ہے، لہٰذا عبوری دور کے لئے اس منصب رسالت کا پرویز صاحب سے زیادہ اور کون مستحق ہوسکتا تھا؟ منکرین حدیث کے ادارے طلوع اسلام کے ایک معزز رکن محمد علی خاں بلوچ کی تیز نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ گو پرویز صاحب زبان سے اپنی رسالت کا دعویٰ نہ بھی فرمائیں تو بھی عملاً انہوں نے یہ منصب سنبھال رکھا تھا، بالکل ایسے ہی جیسے پوپ زبان سے خدائی اور رسالت کا دعویٰ نہیں کرتا، لیکن وہ عملاً اسی منصب پر ہوتا ہے اور عیسائی حضرات گو زبان سے اپنے پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کو خدا نہیں کہتے لیکن عملاً وہ انہیں خدا ہی بنائے ہوئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں یہ نہ فرماتا کہ ان عیسائیوں نے مسیح ابن مریم (یسوع مسیح) کو اور اپنے علما اور درویشوں کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔ طلوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے سرکردہ رکن محمد علی خاں بلوچ نے غلام احمد پرویز کی اصل تصویر دکھاتے ہوئے کچھ یوں پردہ کشائی فرمائی ہے۔ ''غالباً ہماری طرح آپ حضرات میں سے بہت سوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اب سے کچھ عرصے پہلے اس وجہ اشتراک کے پردے میں کہ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں نوع انسانی کو قرآن کریم کی دعوت دی تھی، آج کل اسی طرح گلبرگ لاہور کی کوٹھی نمبر ۲۵۔بی میں جناب پرویز صاحب بھی قرآن کی دعوت دے رہے ہیں۔ جناب پرویز صاحب اپنے آپ کو آں حضرت کے بلند مقام پر فائز کر کے ان تمام آیات کو جو آں حضرت سے متعلق ہیں، اپنی ذات پر منطبق فرما لیتے ہیں۔ پھر جو آیات قرآنی مخالفین اسلام اور کفار سے متعلق نازل ہوئیں انہیں نہایت چابک دستی سے اپنے مخالفین پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ حال آں کہ کجا حضور ختمی مرتبت علیہ السلام اور کہاں جناب پرویز۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک...... کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جناب پرویز احساس کم تری کا شکار ہیں اور اس طرح وہ خود کو رسول اکرمؐ کے مقام بلند پر فائز کر کے اپنے لئے عوام کی نظروں میں غلط طریقے پر کچھ جھوٹا وقار حاصل کرنے کی سعی نامشکور فرماتے ہیں یا انہیں ارشادات نبوی سے نفرت کرتے کرتے خود ذات نبوی سے بھی ایک قسم کی کد ہوگئی ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس واعظم کو ایک عام آدمی کی سطح پر بل کہ خود کو ان ہی کی سطح پر کھینچ لے آنے پر مُصر ہیں۔ دونوں صورتوں میں سے جون سی صورت بھی ہو ہر صورت قابلِ اعتراض اور لائق نفرین ہے''۔

(۲۷/ج) بلوچ صاحب شاید بھول گئے کہ غلام احمد پرویز کے ہم نام متنبی غلام احمد قادیانی نے اگر کھل کر اپنے آپ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ''عینِ محمد'' قرار دیا تھا کیا غلام احمد پرویز کو اتنا بھی حق نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو زبان سے نہ سہی لیکن عملاً ''عینِ محمد'' قرار دیں۔ آخر مسیحی پوپ بھی زبان سے نہیں مگر عملاً خدا اور رسول ہی کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ مفروضہ مرکز ملت جب آئے گا اور پرویزی فکر کے مطابق ''اللہ + رسول'' بنے گا تو آتا رہے اور بنتا رہے، لیکن اس کے آنے سے پہلے عبوری مدت کے لئے بھی تو کوئی رسول ہونا چاہئے۔ اس لئے جناب پرویز نے اگر یہ منصب از خود سنبھال لیا تو بلوچ جیسے اراکین بزم طلوع اسلام کو آخر اعتراض ہی کیوں ہوا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ تم اپنے اوپر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے خوب مضبوطی سے تھامے رکھو۔ حیرت ہے کہ بلوچ صاحب اور دیگر منکرین حدیث اتنی موٹی بات بھی سمجھنے سے کیوں قاصر رہے کہ جب بھی کوئی شخص خواہ وہ غلام احمد پرویز ہو یا کوئی اور شخص ہو، انکار حدیث کی مہم زور وشور سے چلائے گا تو وہ زبانِ قال سے نہ سہی تو زبانِ حال سے لوگوں کو یہی دعوت تو دے گا کہ قرآن کریم کے مجمل اور وضاحت طلب مضامین واحکام کی تشریح و توضیح (بیانِ قرآن) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) [illegible] گزشتہ، متروک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومردہ، کالعدم اور منسوخ سمجھو جن پر یہ قرآن نازل ہوا تھا اور قرآن فہمی کے لئے میری سنت (میرے اقوال وافعال) کو حجت اور واجب التسلیم سمجھو۔ کیا ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو پس پشت ڈال کر خود اپنے آپ کو آپ کی سطح پر نہیں کھینچ لائے گا اور کیا ایسا شخص اور اس کے پیروکار رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے فرماں بردار خادموں میں شمار کئے جانے کے لائق ہوں گے یا آپ سے عداوت وبغاوت کا مظاہرہ کرنے والوں میں شامل ہوں گے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے کسی اور کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلوچ صاحب کے ان کلمات سے بھی غلام احمد کو ماننے والے منکرین حدیث کو کوئی عبرت حاصل نہ ہو تو ہم ان کی کیا مدد کر سکتے ہیں''!...... یا انہیں (پرویز کو) ارشادات نبوی سے نفرت کرتے کرتے خود ذات نبوی سے بھی ایک قسم کی کد ہو گئی ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس واعظم کو ایک عام آدمی کی سطح پر بل کہ خود کو ان ہی کی سطح پر کھینچ لے آنے پر مصر ہیں......''۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

ب: مرکز ملت کی آڑ میں سنت رسول اللہ سے اعراض

ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ منکرین حدیث کے تصور مرکز ملت کو مزید واضح کریں اور اس پر اپنا مزید تبصرہ بھی کما حقہ پیش کریں۔ منکرین حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کا رسول، اللہ کے حکم سے بہ حیثیت رسول اللہ تو لوگوں سے اپنی اطاعت نہیں کرا سکتا لیکن بہ حیثیت امام و حاکم وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورے سے قرآن کریم کے مجمل مضامین واحکام کی تشریح وتوضیح اور دینی جزئیات اور مسائل کو متعین کر کے لوگوں سے اپنی اطاعت کرانے کا مجاز ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونے کی حیثیت سے کام صرف یہی تھا کہ قرآن کریم کو امت تک پہنچا دیا جائے۔ اس معنیٰ میں رسالت آپ پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آپ کی صرف امام (حاکم اعلیٰ اور مرکز ملت) والی حیثیت باقی رہ گئی۔ لیکن ان کے نزدیک امامت وحاکمیت والی حیثیت باقی رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دائمی اور آفاقی ہے، بل کہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد ہر دور کے ہر حاکم اعلیٰ کو قرآن کریم کے مجمل مضامین و احکام کی تشریح وتوضیح (بیانِ قرآن) اور دینی جزئیات واحکام کے تعین کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پر زائد بیان فرمودہ دینی مسائل اور احکام میں اکھاڑ پچھاڑ کا پورا پورا حق حاصل ہوگا۔ چناں چہ منکر حدیث محمد اسلم جیراجپوری نے لکھا ہے''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں ا۔ پیغمبری یعنی پیغامات کو بلا کم وکاست لوگوں کے پاس پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلمکی تصدیق کرنا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ پر ایمان لانا فرض کیا گیا۔ یہ پیغمبری آپ کی ذات پر ختم ہوگئی۔ (۲) امامت یعنی امت کا انتظام، اس کو قرآن کے مطابق چلانا، اس کی شیرازہ بندی کرنا، ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات اور جنگ وصلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔ اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرماں برداری لازم قرار دی گئی...... یہ امامت کبریٰ چوں کہ آپؐ کی ذات سے بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کے لئے قائم ہوئی قیامت تک کے لئے مستمر ہے جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعے ہمیشہ قائم رہنی چاہیے۔ قرآن میں اطاعت رسول کے جو احکام ہیں آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں بل کہ منصب امامت کے لئے ہیں جس میں آنے والے تمام خلفا داخل ہیں..... قرآن میں جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے..... دین کی ضروریات قرآن کی اتباع اور امامت وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں۔ امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضائے زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا اور اس میں وحدت مرکزی قائم رکھے گا اور متفرق نہ ہونے دے گا''۔ (۲۸/الف) بعینہٖ یہی عقیدہ غلام احمد پرویز کا بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اپنی اطاعت رسول کی حیثیت سے انفرادی سطح پر نہیں بل کہ ایک اجتماعی نظام کے تحت امت مسلمہ کا پہلا حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) ہونے کی حیثیت سے کراتے تھے۔ چناں چہ پرویز نے لکھا ہے: ''اطاعت صرف خدا کی ہوسکتی ہے کسی انسان کی نہیں حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت نہیں کراسکتا'' (۲۸/ب) پھر لکھا ہے ''یہ اطاعت ایک نظام کے تحت ہوتی ہے (انفرادی طور پر نہیں ہوتی) جس کا مرکز اول خود رسول ہوتا ہے۔ اس مرکز کی اطاعت کو خدا اور رسول کی اطاعت کہتے ہیں۔ یہی خدا کی حکومت ہے'' (۲۸/ج) نیز لکھا ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ الرسول، رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے اور اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد یہی جدید ''مرکز ملت'' کی اطاعت ہوتی ہے''۔ (۲۹/الف) اب غور کیجیے کہ جب رسول بہ حیثیت رسول لوگوں سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اپنی اطاعت کراسکتا ہی نہیں ہے اور جب پیغمبر کی امت کا پہلا ''مرکز ملت'' ہونے کی حیثیت میں ہی اپنی اطاعت کراسکتا ہے اور جب پیغمبر کی رسالت اور امامت کی حیثیتیں ان منکرین حدیث کے نزدیک بالکل الگ الگ ہیں تو اطاعت رسول سے بھلا اطاعت امام کیسے مراد لی جاسکتی ہے؟ ادھر پورے قرآن میں جہاں جہاں بھی لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے تو ہر جگہ اسے ''اطاعت رسول'' کا نام دیا گیا ہے، اسے ہرگز ''اطاعت امام'' کا عنوان نہیں دیا گیا، بل کہ ائمہ اور حکام (اولوا الامر) کی اطاعت کرنے کا حکم رسول کی اطاعت کرنے کے حکم سے الگ ہے پھر اللہ اور رسول کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اطاعت کا حکم غیر مشروط ہے لیکن اولوا الامر کی اطاعت کا حکم اس شرط سے مشروط اور اس قید سے مقید ہے کہ ان کی اطاعت سے اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ اس زبردست اشکال سے بچنے کے لئے مسٹر پرویز نے امامت کی بہ جائے رسالت کو جاری رکھنے کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہوئے خود اپنے ہی کلام میں دل چسپ تضاد پیدا کر ڈالا۔ تاہم اپنے استاد محترم محمد اسلم جیراجپوری کی یوں اصلاح فرمادی کہ نبوت تو ختم ہو چکی ہے مگر رسالت قیامت تک کے لئے مستمر ہے۔ لیکن یہاں یہ ملحوظ رہے کہ رسالت کے جاری رہنے کا پرویزی مفہوم یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وہ شریعت جاری وساری ہے جس کا قرآن کریم کے بعد دوسرا بڑا اہم ماخذ وہ بیانِ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو ملا اور جسے آپ نے اپنی سنت اور اپنے اسوۂ حسنہ سے لوگوں تک پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے شارح قرآن اس معنی میں ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے بہ ذریعہ وحی قرآن کا بیان یعنی اس کی تشریح وتوضیح کو حاصل کر کے لوگوں تک پہنچایا۔ آپ اس معنیٰ میں شارع بھی ہیں کہ اگرچہ شارح ہونے کے علاوہ حقیقی شارع بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن آپ نے اپنی طرف سے نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ دینی مسائل اور جزئیات کو بہ ذریعہ وحی معلوم کر کے امت تک پہنچایا ہے۔ چوں کہ شارح اور شارع ہونے کے اللہ تعالیٰ اور پھر اس کے رسول کے حق کو بہ زعم خویش چھین کر اپنے مجوزہ مرکز اعلیٰ کے سپرد کرنے پر منکرین حدیث بڑے حریص ہیں اس لئے وہ ''مرکز ملت'' کو ''اللہ + رسول'' قرار دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ان کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ہو یا امامت و حاکمیت ہو، آپ شارح ہوں یا شارع، آپ کی یہ ساری حیثیتیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ کے انتقال پر آپ کے ساتھ ہی روضہ مبارکہ میں مدفون ہو گئیں۔ اب ان کا ہر مرکز ملت تازہ بہ تازہ جدید ترین شارح وشارع ہوگا۔ جو اہل حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو کتاب اللہ کی تشریح وتوضیح کے طور پر پیش کرتے ہیں، انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے بزم طلوع اسلام کے ایک سرکردہ رکن ڈاکٹر عبدالودود صاحب فرماتے ہیں ''رسول کے بعد صرف مرکز ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے'' (۲۹/ب) حیرت ہے کہ ڈاکٹر عبدالودود نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ جب ان کے مفروضہ اور مجوزہ مرکز ملت کا پردۂ غیب سے تا حال کوئی ظہور ہوا ہی نہیں تو دین کے متعلق بڑے بڑے فیصلے کرنے کا ڈاکٹر صاحب اور ان کے پیر ومرشد جناب غلام احمد پرویز کو کہاں سے حق حاصل ہو گیا کہ انھوں نے معارف القرآن، مطالب القرآن اور مفہوم القرآن کے نام سے ضخیم جلدیں لکھ ڈالیں؟ یہ الگ بات ہے کہ ان [illegible] کچھ نہیں [illegible] لیکن انہیں ''مرکز ملت'' کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''قدوم میمنت لزوم'' سے پہلے دینی فیصلے کر ڈالنے کا حق کس نے دیا؟ خیر بات یہ ہو رہی تھی کہ جیراجپوری کے نزدیک رسالت ختم لیکن امامت جاری ہے۔ پرویز صاحب نے اس کی اصلاح فرماتے ہوئے نبوت کو ختم مگر رسالت کو جاری رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''نبوت شخصیت کی مظہر ہوتی ہے اور رسالت آئیڈیالوجی کی نقیب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم ہوگئی مگر رسالت باقی رہ گئی۔ آئیڈیالوجی حروف ونقوش کی شکل میں محض مجرد تصور ہوتی ہے۔ اس کی عملی صورت نظام کہلاتی ہے، لہٰذا یوں سمجھ لو کہ ختم نبوت کے بعد اشخاص کی جگہ نظام نے لے لی مگر رسالت محمدیہ قیامت تک کے لئے باقی ہے''۔ (۲۹/ج) الغرض پرویز صاحب نے اپنے استاد محمد اسلم جیراجپوری کی اس طرح اصلاح فرمادی کہ جیراجپوری کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ختم ہوگئی ہے، کیوں کہ آپ نے قرآن لوگوں تک بلا کم وکاست پہنچا دیا ہے، لیکن منصب امامت اس معنیٰ میں باقی ہے کہ آپ کا ہر جانشین آپ کی طرح شارح قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ شارع (دینی مسائل اور جزئیات کو متعین کرنے والا) بھی ہوگا۔ اس کے برعکس پرویز نے نبوت کو تو آپ پر ختم کر دیا لیکن رسالت کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا۔ یعنی جیراجپوری جس چیز کو رسالت کہتے ہیں، پرویز صاحب اسے نبوت کا نام دیتے ہیں اور جیراجپوری صاحب جس چیز کو امامت کہتے ہیں، پرویز صاحب اسے رسالت قرار دیتے ہیں۔ یعنی رسول صرف وہی نہیں جس پر وحی نازل ہو بلکہ وہ بھی رسول ہی ہے جو تشریعی اختیارات کا حامل ہو۔ چناں چہ پرویز نے دلی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر حکمران اعلیٰ (مرکز ملت) کو رسول قرار دیا تو ڈاکٹر عبدالودود نے کھل کر ہر (مجوزہ ومفروضہ) مرکز ملت کو زندہ رسول قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں ''عملی انتظام کی سہولت کے لئے امت اپنے میں سے بہترین افراد کو نمائندہ بنا کر فیکم رسول (تمہارے اندر رسول ہے) کے سلسلے کو قائم رکھتی ہے، اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد ''فیکم رسول'' سے مراد ملت کی مرکزی اتھارٹی ہے جو رسول کا فریضہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکزِ ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے'' (۳۰/الف) لیجیے رسول کی نئی تعریف (Definition) کے مطابق رسول صرف وہی نہیں ہوتا جسے اللہ منتخب کر کے اس پر اپنی وحی اتارے بلکہ وہ شخص بھی رسول ہوتا ہے جسے لوگ اپنے بہترین منتخب نمائندوں کے ذریعے حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) قرار دے دیں۔ منکرین حدیث اپنے مرکز ملت کو خواہ امام قرار دیں جیسے اسلم جیراجپوری نے لکھا ہے یا اسے رسول قرار دیں جیسے قدرے الجھی ہوئی فلسفیانہ زبان میں غلام احمد پرویز نے قرار دیا ہے اور جیسے واشگاف الفاظ میں ڈاکٹر عبدالودود نے زندہ وتابندہ اور جیتا وجاگتا رسول قرار دیا ہے، اس پر [illegible] منکرین حدیث کا [illegible] قرآن کریم میں جہاں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے تو اس سے مراد مرکزِ ملت کی اطاعت ہوا کرتا ہے۔ غلام احمد پرویز نے لکھا ہے ''نظام قرآنی میں اطاعت مرکزِ ملت کی ہے اور چوں کہ یہ مرکز قوانین خداوندی کی تنفیذ کرتا ہے اور پہلا مرکز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی اس لئے قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے''۔ (۳۰/ب) یعنی مرکز ملت امام پھر رسول اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر ''اللہ ورسول'' ہوگیا۔ ڈاکٹر عبدالودود نے کھلے الفاظ میں مرکز ملت کو رسول قرار دیا تھا۔ غالبًا انہیں بعد میں احساس ہوا کہ مرکز ملت صرف رسول ہی نہیں بل کہ اللہ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنے اگلے خطاب میں اپنی غلطی کی یہ کہہ کر تلافی کردی ''اگر کسی فرد سے لغزش ہوجائے تو مسجد کے گوشے میں استغفر اللہ کہنے سے معافی نہیں مل سکتی بل کہ اس فرد کو خود چل کر مرکزی اتھارٹی کے پاس آنا ہوگا اور معذرت پیش کرنا ہوگی''۔ (۳۰/ج) ادھر غلام احمد پرویز نے جو دبے الفاظ میں ہر مرکز ملت کو رسول قرار دیا تھا تو سوال پیدا ہوا کہ جب ہر مرکز ملت رسول ہی نہیں بلکہ ''اللہ + رسول'' ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا کیا مطلب ہوا، یہاں تو ہر مرکز ملت رسول ہے۔ اس مشکل سوال کا جواب پرویز صاحب نے یوں دیا: ''توحید کے بعد رسالت حضور ختم المرسلین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن رسول پر ایمان لانے سے مفہوم اس کی ذات پر ایمان نہیں کیوں کہ اس کی ذات تو زمان ومکان کے حدود کی پابند ہوتی ہے اور ملتِ اسلامیہ جیسا کہ ابھی ابھی کہا جاچکا ہے کہ ابدیت سے ہم کنار ہے...... رسالتِ محمدی پر ایمان سے مقصود اس کتاب پر ایمان ہے جو حضورؐ کی وساطت سے امت کو ملی''۔ (۳۱/الف)۔ غور کیجیے کہ پرویز صاحب رسالت کو جس معنیٰ میں جاری سمجھتے ہیں اسے انھوں نے مذکورہ بالا اقتباس میں واضح کردیا ہے۔ رسالت جاری ہے، کا مطلب ان کے نزدیک صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مجوزہ ومفروضہ مرکز ملت اپنی اپنی باری پر رسول ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے وقت میں رسول تھے۔ چوں کہ آپ کی ذات زمان ومکان کی حدود کی پابند تھی اس لئے جب آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ تو آپ کی رسالت بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ کے ساتھ ہی رخصت ہوگئی اور اب آپ کی رسالت پر ایمان رکھنے کا مطلب صرف یہ رہ گیا ہے کہ آپ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان رکھا جائے۔ لیکن ساتھ ہی اپنی مذکورہ بالا عبارت میں پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ختم المرسلین'' بھی لکھا ہے تو بعد میں آنے والے مراکز ملت رسول کیسے ہوگئے اس کا بہتر علم پرویزی منکرین حدیث ہی کو سکتا ہے۔ اسی طرح کا اپنی باتوں میں ایک اور تضاد انھوں نے یوں بھی پیش فرمایا ہے ''نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت [illegible] کی عملی تفسیر، یہی وجہ ہے کہ قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک ہی شخصیت کو کہیں نبی کہا گیا ہے اور کہیں رسول'' (۳۱/ ب) جب ان کے نزدیک نبوت و رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں تو انھوں نے نبوت کو ختم اور رسالت کو جاری کیسے قرار دے ڈالا تھا؟ یا وہ دونوں کو جاری رکھتے یا دونوں کو ہی ختم کرتے۔ منکرین حدیث کی مذکورہ باتوں میں جو تضادات اور اختلافات پائے جاتے ہیں وہ اپنی جگہ پر انہیں جھوٹا ثابت کر رہے ہیں۔ تاہم اس پر سب متفق نظر آتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہر مرکز ملت کو تشریعی (دینی جزئیات و مسائل کو متعین کرنے کے) اور تشریحی (قرآن کریم کے مجمل مضامین و احکام کی زمانے کے نئے تقاضوں کی آڑ میں نئی نئی تشریح و توضیح کے) اختیارات حاصل ہیں۔ اس لحاظ سے ہر مرکز ملت کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

منکرین حدیث کے افکارِ باطلہ پر تبصرہ

منکرین حدیث نے مرکز ملت کا جو خود ساختہ تصور پیش کیا ہے اس سلسلے میں ان کے باطل افکار و نظریات کی تردید اوپر حصہ ''الف'' کے مباحث میں بھی کی جاچکی ہے۔ تاہم یہاں چند مزید امور غور طلب ہیں:۔

۱۔ حضرات انبیا علیہم السلام لوگوں کو اپنی اطاعت کا حکم اس معنیٰ میں دیتے ہیں کہ دین میں ہمارے اقوال و افعال ہماری ذاتی خواہش اور مرضی پر نہیں بل کہ وحی ربانی پر مبنی ہوتے ہیں اور دین میں جو بھی اوامر و نواہی (احکام) ہم جاری کرتے ہیں وہ ہماری طرف سے نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجے گئے رسول ہیں۔ مثلاً حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام نے اپنی اپنی اقوام کو جب دعوتِ اسلام دی تو ان میں سے ہر ایک نے اپنی قوم سے فرمایا: اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (۳۱/ ج) ''بے شک میں تمہارے لئے (اللہ کی طرف سے) امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔

ظہورِ رسالت و نبوت کے بعد جب بھی کوئی پیغمبر لوگوں کو دعوت اسلام اور اپنی اطاعت کا حکم دیتا ہے تو وہ لازماً انفرادی سطح پر ہی دیتا ہے کیوں کہ سب سے پہلا مومن و مسلم وہی ہوتا ہے دوسرے لوگ تو اس پر بعد میں ایمان لاتے ہیں۔ بعد کے مراحل میں بھی وہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکام (۱۔ پہنچا کر انفرادی سطح پر ہی (۲۔ ان سے اپنی اطاعت کراتا ہے)، کیوں کہ وہی تو اپنی قوم میں واحد موردِ وحی ہوتا ہے۔ جماعتی نظام کا قیام دینی مسائل اور جزئیات کے تعین (تشریعی) کے لئے نہیں بل کہ عملی زندگی میں ان کے نفاذ و اجرا کے لئے ہوتا ہے لہٰذا پرویز جیسے منکرین حدیث کا یہ کہنا انتہائی لغو، لچر اور مضحکہ خیز ہے کہ رسول لوگوں سے انفرادی سطح پر اپنی اطاعت کرا ہی نہیں سکتا۔ دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح سید المرسلین و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا پوری نوع انسانی کو اس لئے مکلّف و پابند کیا گیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور دین میں آپ کے اقوال وافعال بھی انبیائے سابقین کی طرح وحی پر مبنی ہیں۔ دین کے بارے میں آپ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ ہرگز آپ کی خواہش نفس سے نہیں ہوتا بل کہ آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے: وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰیO اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیO (۳۲/الف) بارہا یہ بتایا جاچکا ہے کہ دین کے متعلق آپ کے بولنے کو جو وحی کہا گیا ہے تو اس سے صرف قرآن کریم ہی مراد نہیں ہے کیوں کہ ان آیات میں ضمیر ''ھو'' کا مرجع ''القرآن'' نہیں بل کہ نطق رسول ہے، جو وحیِ قرآنی اور وحیِ غیر قرآنی دونوں پر مشتمل ہے۔ چناں چہ آپ کا قرآن کریم کو ترتیب نزولی کی بہ جائے ترتیب توقیفی میں مرتب کرانا اور اس کی کتابت کرانا صرف اور صرف وحیِ غیر قرآنی کی بنا پر ہے ورنہ پورے قرآن میں یہ احکام موجود نہیں ہیں۔ بل کہ قرآن کریم میں تو آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا گیا ہے: مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَہٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ (۳۲/ب) ''میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے''۔ متکلّم کی مرضی، اجازت اور حکم کے خلاف اس کے کلام میں جملوں کو مقدم وموخر اور ادھر ادھر کردینا تو ایک طرف رہا، رموز اوقاف تک کو بدل ڈالنے سے تحریف لفظی لازم آتی ہے اور کلام کا مفہوم کچھ کا کچھ ہوسکتا ہے۔ پس اگر یہ (خبیث) مفروضہ قائم کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے قرآن کی ترتیب نزولی کو ترتیب توقیفی میں بدل ڈالا تو اس سے تو کتاب اللہ کا اولین مرحلے میں ہی غیر محفوظ اور محرف ہونا لازم آئے گا۔ پس لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کی ترتیب نزولی کو ترتیب توقیفی میں بدلنا اور اس کی کتابت کرانا وحیِ غیر قرآنی کی بنا پر ہے، کیوں کہ یہ دونوں احکام تو قرآن میں موجود ہی نہیں۔ پس سورۂ نجم کی آیات میں ضمیر ''ھو'' کا مرجع ''القرآن'' کی بہ جائے ''نطق رسول'' اسی لئے ٹھہرایا گیا ہے کہ اس میں قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی شامل ہوسکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں جو بار بار اطاعت رسول کا حکم لوگوں کو دیا گیا ہے تو اسی معنیٰ میں ہے کہ دین کے متعلق آپ کے تمام اقوال، افعال واحوال وحی الٰہی پر مبنی ہیں۔ اسی لئے آپ کی اطاعت دراصل بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اسی کے حکم سے یہ اطاعت مطلوب ومقصود ہے۔ سورۂ النساء میں ہے: مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (۳۲/ج) ''اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ رسول کے اوامر ونواہی دراصل اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول یعنی خالق ومخلوق ہیں (معاذ اللہ) عینیت ہے کہ اللہ اور رسول سے ایک ہی ذات مراد ہو۔ اسی سورۂ النساء میں ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳۳/الف) ''اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے تو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔ اس طرح کی آیات میں ہرگز اس طرح کا مضمون پورے قرآن میں نہیں ملے گا کہ جس نے امام کی اطاعت کی، جس نے حاکم اعلیٰ کی اطاعت کی، جس نے مرکز ملت کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ وجہ ظاہر ہے کہ اولوا الامر (علما و حکام) کی اطاعت ہرگز غیر مشروط نہیں بل کہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کی اطاعت سے اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ چناں چہ اللہ کے کسی بھی پیغمبر نے کبھی بھی لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ ہمارے حاکم، شارح، شارع اور قاضی وغیرہ ہونے کی حیثیت ہماری رسالت کی حیثیت سے الگ ہے، اس لئے ہم رسول ہونے کی حیثیت میں تم سے اپنی اطاعت نہیں کرا سکتے بل کہ ہمیں اپنا پہلا امام (مرکز ملت) سمجھ کر ہماری اطاعت کرو بل کہ وہ یہی کہتے رہے کہ ہم اللہ کی طرف سے تمہارے لئے امانت دار رسول ہیں اس لئے تم اللہ سے ڈرو اور ہماری اطاعت کرو۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اپنی اطاعت رسول کی حیثیت سے نہیں بل کہ امت مسلمہ کے پہلے امام یا مرکز اول کی حیثیت سے کراتے رہے اور آپ کے بعد کے حکام اعلیٰ (مراکز ملت) بھی اس حیثیت میں آپ کے برابر ہیں، اور یہ کہ رسول کی حیثیت سے آپ اپنی اطاعت کرواہی نہیں سکتے تو لازماً ایسے بدبخت اور بدنصیب کو نہ صرف گستاخ رسول قرار دینا ہوگا بل کہ ایسا بدبخت قرآن کریم کی بھی کھلی کھلی تکذیب کر رہا ہے کہ قرآن تو بار بار یہ کہے کہ رسول کی اطاعت کرو اور یہ بدبخت رٹ لگا تا چلا جائے کہ ہرگز نہیں، رسول کی تو اطاعت ہو ہی نہیں سکتی۔ کسی پیغمبر نے لوگوں سے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں تم سے رسول ہونے کی حیثیت سے اپنی اطاعت کا مطالبہ نہیں کرتا بل کہ تمہارا پہلا حاکم اعلیٰ یا پہلا مرکزِ ملت ہونے کی وجہ سے تم سے یہ مطالبہ کر رہا ہوں، اور میں بھی اور میرے بعد آنے والے تمہارے حکام اعلیٰ (مراکز ملت) بھی اپنے ساتھیوں کے مشورے سے اللہ تعالیٰ کے مجمل احکام ومضامین کی تشریح وتوضیح اور اس سے بھی آگے بڑھ کر دینی احکام اور جزئیات کو اپنی مرضی اور اپنی صواب دید اور اپنی خواہش نفس سے متعین کر لینے کے مکمل مجاز و مختار ہیں۔ ایسا عقیدہ تو شرک ہے اور اسے قبول کرنے والے مشرک ہیں۔ جو شخص ایسا دعویٰ کرے اس نے بہ زعم خوایش خدائی منصب خود سنبھال لیا اور جو اس کے ایسے مشرکانہ دعوے کو قبول کریں گے وہ اسے اپنا رب بنائیں گے اور اللہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوں گے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو اسی لئے مشرک قرار دیا کہ انھوں نے مسیح ابن مریم علیہما السلام اور اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا۔ (۳۳/ب) رب بنانا یہی ہے کہ وہ اپنے مذہبی رہنماؤں پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کو تشریع (دینی احکام وجزئیات کو ازخود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے متعین کر لینے) کا مجاز ومختار سمجھتے ہیں۔ پیغمبر کو مجازاً شارع اس معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ دین کے متعلق جو مسائل اور احکام وہ متعین کرتا ہے تو اللہ سے وحی پا کر کرتا ہے کیوں کہ شارع حقیقی وہی ہے۔ اس لئے جو لوگ منصب نبوت پر فائز نہیں وہ چوں کہ نہ تو موردِ وحی ہیں اور نہ ہی معصوم عن الخطا ہیں، اس لئے انہیں مجازاً بھی شارع نہیں کہا جا سکتا۔ رسول اور نبی وحی کے نزول سے پہلے یا بعد ایک ثانیے (سیکنڈ) کے کروڑویں حصے کی مدت کے برابر بھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے کسی شخص کو منصبِ رسالت پر بھلا فائز ہی کیوں فرمائے گا؟: **اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ** (۳۳/ج) اللہ کو خوب معلوم ہے جہاں وہ اپنا منصب رسالت رکھتا ہے"۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور رسول کس نے منتخب فرما کر لوگوں کی طرف بھیجا؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ اللہ نے بھیجا۔ (مثلاً) سورۂ فتح میں ہے: **ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ** (۳۴/الف) وہ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیانِ (باطلہ) پر غالب کر دے"۔ آپ کو معصوم عن الخطا کس نے ٹھہرایا؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ اللہ نے ٹھہرایا۔ (مثلاً) سورۂ نجم میں ہے: **مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰیO وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیO اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیO** (۳۴/ب) "تمہارا ساتھی (پیغمبر) نہ گم راہ ہوا ہے اور نہ ہی بھٹکا ہے (یعنی اپنے افعال میں اور اپنے افکار ونظریات میں وہ معصوم عن الخطا ہے) اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے (یعنی وہ اپنے اقوال میں بھی معصوم عن الخطا ہے)"۔ وجہ ظاہر ہے کہ وحی میں تو خطا کا سرے سے احتمال ہے ہی نہیں۔ اگر کسی خاص موقع پر آپ نے اپنے قیاس اور اجتہاد واستنباط سے کام لیا اور شاذ ونادر صورتوں میں کہیں آپ سے خطائے اجتہادی کا بہ تقاضائے بشریت صدور ہوا تو ہرگز آپ کو اس غلطی پر قائم نہیں رکھا گیا بل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع بھی ہو گئی اور اصلاح بھی کر دی گئی۔ لہٰذا دین کے متعلق تمام اقوال وافعال میں آپ معصوم عن الخطا ہیں، کیوں کہ یہ خواہش نفس پر مبنی نہیں بل کہ وحیِ حقیقی یا وحیِ حکمی پر مبنی ہیں اور وحی میں خطا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ منصوص من اللہ (اللہ کی طرف سے منتخب ونام زد) اور معصوم عین الخطا ہونے کے ساتھ ساتھ کس نے آپ کو مفترض الطاعۃ (جس کی اطاعت لوگوں پر فرض ہو) بنایا؟ کس نے آپ کو یہ مقامِ عطا فرمایا کہ آپ کے فیصلوں سے روگردانی کرنے والا ہرگز مسلمان ہو ہی نہیں سکتا؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ مقام آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ سورۂ النساء میں ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۳۴/ج) ''سو تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں میں تجھے فیصل تسلیم نہیں کر لیتے پھر جو فیصلے تو ان میں کردے ان سے متعلق وہ اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی اور ناگواری محسوس نہ کریں اور (تیرے فیصلوں کو) نہایت ہی فرماں برداری کے ساتھ قبول کرلیں''۔ کس نے آپ کو ایسا قاضی مقرر فرمایا کہ آپ کے فیصلے کے خلاف کہیں بھی کوئی مرافعہ (اپیل) نہ ہو سکے اور آپ کا فیصلہ سن لینے اور معلوم کر لینے کے بعد کسی مسلمان کے لئے سوائے تعمیل کے اور کوئی چارہ ہی نہ ہو؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ مقام آپ کو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔ سورۂ احزاب میں ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا ۝ (۳۵/الف) اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لئے ان کے معاملے میں کوئی اختیار ہو۔ اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ یقیناً کھلی گمراہی میں پڑ گیا''۔ یہ مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی امتی کو حتیٰ کہ خلفائے راشدین تک کو نہیں دیا۔ مثلاً حضرت علیؓ نے ایک نصرانی یا یہودی کو ایک زرہ بیچتے ہوئے دیکھا۔ یہ آپ کی اپنی گم شدہ زرہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو میری زرہ ہے، چناں چہ یہ نزاع اس وقت کے مشہور قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا۔ حضرت علیؓ کے پاس اپنے حق میں اپنے بیٹے اور اپنے ایک غلام قنبر کے علاوہ کوئی اور شہادت نہ تھی۔ اس لئے قاضی نے والد کے حق میں بیٹے کی شہادت کو قبول نہ کرتے ہوئے فیصلہ نصرانی یا یہودی کے حق میں کر دیا۔ وہ اس پر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور یہ بھی اعتراف کر لیا کہ یہ زرہ حضرت علیؓ کے اونٹ سے گر پڑی تھی، جسے میں نے اٹھا لیا تھا۔ اس نے زرہ حضرت علیؓ کو واپس کرنا چاہی لیکن آپ نے فرمایا کہ چوں کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے لہٰذا میں نے تجھے یہ زرہ ہدیہ کر دی۔ اب یہ تیری ہی ہے۔ (۳۵/ب) خیر سلسلۂ کلام جاری ہے آپ کو قرآن کریم کے مجمل احکام و مضامین کی شرح کس نے بتائی؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بتائی۔ سورۂ قیامہ میں ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (۳۵/ج) ''پھر بے شک اس (قرآن) کا بیان (یعنی تشریح و توضیح بھی) ہمارے ذمے ہے''۔ پھر آپ کو لوگوں کے لئے قرآن کی تشریح و توضیح کرنے والا کس نے بنایا؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ سورۂ نحل میں ہے: وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ (۳۶/الف) اور ہم نے تیری طرف نصیحت (قرآن) کو اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے کھول کر بیان کردے جو ان کی طرف اتارا گیا ہے''۔ اور اسی سورۂ نحل میں ہے وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ (۳۶/ب) ''اور ہم نے (اے پیغمبر!) تجھ پر کتاب کو اس لئے نازل کیا ہے کہ تو ان لوگوں کے لئے ہر وہ چیز کھول کر بیان کردے جس میں وہ (باہم) اختلاف کرتے ہیں''۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے وحی حقیقی یا حکمی کے ذریعے لوگوں کے لئے دینی احکام اور جزئیات کا متعین کرنے والا (شارع) کس نے بنایا؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو شارع بنایا ہے۔ سورہ اعراف میں آپ کے متعلق ارشاد ہے: وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ (۳۶/ج) ''وہ (پیغمبر) ان لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کو (اللہ کے حکم اور وحی سے) حلال ٹھہراتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور طوق (جو سابقہ شرائع میں تھے) اتارتا ہے''۔ وحی کے بغیر اپنی طرف سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خواہشِ نفس پر مبنی دینی احکام اور جزئیات متعین کر لینے والوں کو مشرک کس نے قرار دیا ہے؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کا فیصلہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ سورہ شوریٰ میں ہے: اَمۡ لَهُمۡ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا لَمۡ یَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ (۳۷/الف) کیا ان لوگوں کے لئے (اللہ کے) ایسے شریک بھی ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین میں وہ باتیں نکالیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی''۔ سورہ توبہ میں عیسائیوں کے متعلق ارشاد ہے: اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝ (۳۷/ب) ''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علما اور درویشوں کو اور مریم کے بیٹے مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کو رب بنالیا۔ حال آں کہ انہیں صرف ایک ہی معبود (اللہ) کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جو (دوسروں کو اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہیں وہ (اللہ) اس سے پاک ہے''۔ دین و شریعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کس نے کامل کیا کہ اس کے بعد کسی فرد یا افراد کے لئے یہ گنجائش ہی نہ رہے کہ وہ اپنی خواہش نفس سے انفرادی یا جماعتی سطح پر دینی مسائل و احکام گھڑ کر بہ زعم خویش دین کو مکمل کرتے پھریں؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ دین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور اپنے رسول کی سنتِ مبارکہ اور اسوۂ حسنہ کے ذریعے کامل اور مکمل کر دیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: اَلۡیَوۡمَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ (۳۷/ج) ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو بہ طور دین کے تمہارے لئے پسند کرلیا''۔ سورۂ احزاب میں ہے: لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ (۳۸/الف) ''بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی ذات) میں عمدہ نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ (کے سامنے حاضر ہونے) اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے''۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سامنے حاضر ہونے اور آخرت کے دن کی امید قیامت تک آنے والا ہر مسلمان رکھتا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ اور آپ کا اسوۂ حسنہ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ سورۂ جاثیہ میں ہے: ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡہَا وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ (۳۸/ب) ''پھر ہم نے (اے پیغمبر:) تجھے اس (اقامت دین کے) معاملے میں ایک شریعت پر قائم کر دیا ہے۔ سو تو اسی کی پیروی کر اور نادانوں کی خواہشات کی اتباع نہ کر''۔ یہاں یہ یاد رہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل میں مجتہدین اور فقہا شریعت میں کوئی اضافہ نہیں کرتے بل کہ وہ نئے پیش آمدہ مسائل میں قرآن وسنت پر مبنی نظائر اور دلائل سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں۔ وہ (معاذ اللہ) شریعت سازی نہیں کرتے بل کہ قرآن وسنت میں مستور مسائل اور احکام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہ کام متعلقہ اہل علم کا ہے، حکام کا نہیں۔ اس کے برعکس منکرین حدیث دین وشریعت کو ناقص اور نامکمل سمجھتے ہیں جس کی تکمیل بہ قول ان کے ہر دور کا مرکز ملت اپنے ساتھیوں سے مل کر از خود دینی مسائل اور جزئیات گھڑ کر کیا کرے گا۔ منکرین حدیث کے مجلّے طلوع اسلام میں ہے ''اس (قرآن) کے اصول محکم اساس پر مبنی ہیں (جسے فطرت اللہ کہا جاتا ہے اور) جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ لیکن ان اصولوں کی جزئیات مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ ان بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے''۔ (۳۸/ج) یہاں یہی کہنا پڑے گا کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ شریعت کے اولیں مآخذ و مصادر وحیِ کتاب (قرآن کریم) اور وحیِ غیر کتاب (سنتِ رسول) ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے شریعت اور دین کی تکمیل ہوگئی۔ آپ کے بعد شریعت کسی حاکم اعلیٰ یا نام نہاد مرکز ملت کی اور اس کے ساتھیوں کی خواہشات نفس پر ہرگز ہرگز مبنی نہیں ہوتی۔ یہ عقیدہ تو اپنے پاپاؤں کے متعلق عیسائیوں کا ہے وہ بھی کچھ اس طرح کی بات کرتے ہیں ''اناجیل اربعہ اور اس سے ملحق کتابوں سے ماخوذ کفارے، مصلوبیت اور تثلیث کے اصول محکم اساس پر مبنی ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی لیکن ان اصولوں کے ماتحت جزئیات ہر دور میں مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ادلتی بدلتی رہتی ہیں ان جزئیات کو ہمارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوپ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتا رہتا ہے اور ان بدلنے والی جزئیات کو ہی مسیحی شریعت کہا جاتا ہے''۔ خیر ہم سلسلۂ کلام آگے بڑھاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبلّغ وحی کس نے بنایا؟ عقلِ سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ اللہ نے بنایا۔ سورۂ مائدہ میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (۳۹/الف) ''اے رسول! تیرے رب کی طرف سے تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے تو اسے (لوگوں تک) پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اس (اللہ) کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں (کے شرّ) سے محفوظ رکھے گا''۔ پس آپؐ نے لوگوں کے لئے نازل شدہ وحی (قرآنی اور غیر قرآنی دونوں) کو لوگوں تک پہنچایا اور ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے حجت پوری کردی۔ نہ ماننے والوں کے لئے تو آپ صرف مُبلّغ ہی ہیں تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت پوری ہوجائے۔ لیکن ماننے والوں کے لئے آپ صرف مبلغ وحی ہی نہیں بلکہ ان کے لئے آپ مُعلّم کتاب اور مزکّیِ اخلاق بھی ہیں۔ یہ منصب آپؐ کو کس نے عطا فرمایا؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہی ہے کہ اللہ نے عطا فرمایا۔ (مثلاً) سورۂ جمعہ میں ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۳۹/ب) ''(اللہ) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک وصاف کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے''۔ اپنے ساتھ اپنے رسول کی غیر مشروط اطاعت کا بارہا حکم کس نے دیا؟ بہ الفاظ دیگر آپ کو مُطاع اور حاکم کس نے بنایا؟ کیا لوگوں نے آپ کو منتخب کیا تھا؟ کیا آپ ان پر زبردستی حاکم بن گئے تھے؟ کیا امامت وحاکمیت کا منصب آپ کو وراثت میں ملا تھا؟ عقل سلیم اور اس کے مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو حاکم بنایا اور لوگوں کو آپ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ سورۃ النساء میں ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۳۹/ج) ''جس نے (اللہ کے حکم سے) رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ اور مثلاً سورۂ محمد میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ (۴۰/الف) ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو''۔ اور مثلاً سورۂ نور میں ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۴۰/ب) ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تا کہ تم پر رحم کیا جائے‘‘۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا فرماں بردار کس نے قرار دیا؟ آپ کو ایسا متبوع اور ایسا مُطاع کس نے ٹھہرایا کہ آپ کی اتباع اور اطاعت کے بغیر کسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو ہی نہ ہو سکے؟ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ مقام عطا فرمایا۔ سورۂ انعام میں ہے: قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O (۴۰/ج) ’’اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اللہ کا فرمابردار بنوں اور تو ہر گز مشرکوں میں سے نہ ہو‘‘ سورۂ آل عمران میں ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ O (۴۱/الف) ’’(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تب ہی اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ تو کہہ دے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو بے شک اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا‘‘۔ رسول کی یہ اتباع اور یہ اطاعت افراد امت کے لئے تا قیامت مطلوب ومقصود ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی محبت انہیں حاصل نہیں ہو سکتی۔ کس نے آپ کو اس انتہائی بلند مقام اور مرتبے تک پہنچایا کہ جو آپ کی مخالفت کرے گا وہ کسی فتنے یا دردناک عذاب کا شکار ہو سکتا ہے، جس نے آپ کی آواز پر اپنی آواز بلند کی اس کے عمل برباد ہو سکتے ہیں، آپ مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، مسلمانوں کو آپ پر درود وسلام بھیجنا چاہیے۔ عقل سلیم اور اس کے عین مطابق قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ یہ انتہائی بلند مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ سورۂ النور میں ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O (۴۱/ب) ’’تو جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں تو انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی فتنے میں نہ پڑ جائیں یا ان پر کوئی دردناک عذاب نہ آن پڑے‘‘ سورہ حجرات میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O (۴۱/ج) ’’اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے اونچا بولتے ہو اس کے لئے ایسے نہ بولو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں علم بھی نہ ہو‘‘۔ سورۂ احزاب میں ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط (۴۲/الف) ’’نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں‘‘۔ اور اسی سورۂ احزاب میں ہے: اِنَّ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۴۲/ ب) ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس پر خوب خوب درود وسلام بھیجا کرو''۔ مذکورہ بالا قرآنی مضامین کی روشنی میں قطعیت سے ثابت ہوا کہ منصوص من اللہ، مفترض الطاعۃ، معصوم عن الخطاء، مورد وحی، مبلغ کتاب، معلم کتاب وسنت، شارح وشارع، حاکم ومطاع، قاضی وفیصل، سب سے پہلا مسلم، اللہ کا ایسا محبوب جس کی اتباع واطاعت کے بغیر کسی کو اللہ کی محبت حاصل ہی نہ ہوسکے، مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والا، جس کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں، جس کے حکم کی مخالفت کسی فتنے یا کسی دردناک عذاب کو دعوت دے سکتی ہے، جس کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے سے اعمال برباد ہوسکتے ہیں، جس پر مسلمانوں کو درود وسلام بھیجنا چاہیے، جس کی غیر مشروط اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، انتہائی واجب الاحترام وغیرہ وغیرہ تمام بلند ترین مناصب ومراتب اور مناقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہیں۔ آپ کو یہ تمام مناصب کسی مخلوق نے نہیں بل کہ خود خالق نے عطا فرمائے ہیں۔ اس لئے آپ کے رسول ہونے کی حیثیت کو الگ کر دینا اور باقی تمام مناصب میں آپ کو عام لوگوں کی طرح کر دینا ہرگز ہرگز قرآنی تعلیم نہیں اور جو بدبخت ایسا کرتا ہے اس کا قرآن پر ہرگز ہرگز ایمان نہیں۔

قرآن کے ان مضامین پر بار بار غور کیجیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اس معنیٰ میں رسول سمجھتا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) صرف ایک ڈاکیئے، ایک قاصد اور ہرکارے کی طرح قرآن لوگوں تک پہنچادیا، اس کے بعد آپ عام حاکموں کی طرح ایک حاکم، عام قاضیوں کی طرح ایک قاضی اور عام معلموں کی طرح ایک معلم ہیں تو کیا ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے منصبِ رسالت کی بدترین توہین نہیں کر رہا؟ کیا ایسے کسی بدنصیب کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ کہ اس کا قرآن پر ایمان کا دعویٰ واقعی سچا ہے؟ بے شک نوع انسانی کا ایک فرد ہونے کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہیں اور اللہ کے دوسرے بندوں کی طرح آپ بھی اللہ کے بندے ہیں، لیکن ساتھ ہی رسالت ونبوت کے نہایت ہی اعلیٰ وارفع منصب پر فائز ہونے کی بنا پر مراتب ومدارج اور مناقب وفضائل میں بعد از خدا بزرگ توئی کا حقیقی مصداق ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ آپ دینی احکام ومسائل وحی کے بغیر صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشوروں سے متعین فرمایا کرتے تھے اور یہ کہ ہر حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) کو بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورے سے دینی مسائل اور جزئیات گھڑ لینے کا حق حاصل ہے تو کیا ایسا شخص نصاریٰ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح کھلا مشرک نہیں ہے؟ جو شخص یہ کہے کہ مورد وحی ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انفرادی طور پر اپنی اطاعت کرانے کا کوئی حق ہی نہیں، لیکن جب آپ (معاذ اللہ) وحی کے بغیر صحابہ کرامؓ کے مشوروں سے دینی احکام اور جزئیات گھڑ لیا کریں تو آپ کی اطاعت نہایت ضروری ہے، کیوں کہ اپنی خواہش نفس سے جو بھی حاکم اعلیٰ اس طرح دینی مسائل واحکام گھڑ لیا کرے تو وہ اللہ + رسول ہو جاتا ہے اور اپنی خواہشات نفس پر مبنی دینی مسائل واحکام گھڑ لینے والوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہوتی ہے تو کیا ایسے شخص کو صحیح الدماغ قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر وہ مجنون نہیں تو کیا ایسے پکے مشرک کو مسلمان قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا جو شخص کہے کہ رسالت اس معنیٰ میں جاری ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شارح اور شارع بنایا تھا اسی طرح ہر مرکز ملت اپنے وقت پر شارح اور شارع ہوگا تو کیا ختم نبوت و رسالت کے صحیح مفہوم کے ایسے منکر کو مسلمان سمجھا جاسکتا ہے؟ یہ کہنا سراسر لغو، لچر اور باطل ہے کہ نبوت شخصیت کی مظہر ہوتی ہے۔ اور شخصیت چوں کہ زمان ومکان کی پابند ہوتی ہے، لہٰذا نبوت تو ختم ہوگئی لیکن رسالت آئیڈیالوجی کی نقیب ہوتی ہے اور آئیڈیالوجی ایک مجرد تصور ہوتی ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رسالت یوں جاری رہے گی کہ ہر دور کا امت مسلمہ کا حاکم اعلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح شارح اور شارع ہوگا تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پہنچا کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے، لہٰذا ہمیں آپ کی اب کوئی ضرورت نہیں آپ پر ایمان لانے کا مطلب اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ قرآن پر ایمان رکھا جائے اور ہر دور کے ہر حاکم اعلیٰ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ قرآن کے مجمل مضامین واحکام کی نئی تشریح اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کرلیا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دینی جزئیات اور احکام ایسے متعین فرمائے تھے جو قرآن میں موجود نہیں ہیں تو ہر دور کے ہر حاکم اعلیٰ کو اُن میں اکھاڑ پچھاڑ کا حق دیا جائے۔ چناں چہ ان ہی باطل تصورات اور نظریات کے تحت غلام احمد پرویز نے نماز کے متعلق لکھا ہے ''تاہم اگر یہ قرآنی حکومت ان مسلمہ جزئیات (یعنی نمازوں کی تعداد رکعات، اوقات نماز اور ترکیب نماز) میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی''۔ (۴۲/ج)۔ منکرین حدیث کی ان لغویات کے مقابلے میں اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی رسول اور نبی کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی شخصیت (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) معدوم ہوگئی۔ صاحب شریعت نبی کو رسول کہا جاتا ہے پس ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے منصب رسالت ونبوت پر فائز فرمائے تو وہ صرف عالم دنیا میں ہی نہیں بل کہ عالم برزخ اور عالم آخرت میں بھی رسول اور نبی ہی رہتا ہے۔ ''زمان ومکان کی قیود'' کی آڑ میں اس کی رسالت ونبوت ختم نہیں ہوجاتی۔ سورۂ مائدہ میں ہے: یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَاذَآ اُجِبْتُمْ (۴۳/الف) جس دن (یعنی بروز قیامت) اللہ رسولوں کو جمع کرے گا پھر (ان سے) کہے گا کہ (دنیا میں تمہاری التوں کی طرف سے تمہاری دعوتِ حق کا) تمہیں کیا جواب دیا گیا......'' سورہ زمر میں ہے: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ (۴۳/ب)'' اور (قیامت کے دن) لکھا ہوا (ہر شخص کا اعمال نامہ سامنے) رکھا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا''۔ ان قرآنی مضامین سے واضح ہے کہ انبیا اور رُسُل عالم آخرت میں وصفِ نبوت و رسالت سے موصوف رہیں گے۔ کسی بھی جہان میں اور کہیں بھی زمان و مکان کی حدود و قیود ان کے وصف نبوت و رسالت پر اثر انداز نہیں ہوں گی۔ یہ کہنا بھی لچر اور لغو ہے کہ نبوت تو شخصیت کی مظہر ہوتی ہے لیکن رسالت آئیڈیالوجی کی مظہر اور نقیب ہوتی ہے۔ اوصاف و اعراض ہمیشہ اپنے موصوف میں ہو کر پائے جاتے ہیں۔ موصوف کے بغیر ان کا تصور محض ذہنی تصور ہوتا ہے تو دیگر اوصاف کی طرح نبوت ہو یا رسالت یہ بھی لازماً کسی شخصیت میں ہی پائے جائیں گے، جسے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا ہو۔ منکرین حدیث کا بہ ظاہر الجھی ہوئی فلسفیانہ زبان میں اس طرح کے باطل تصورات کو پیش کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک قاصد اور ڈاکیے کی طرح قرآن پہنچا دینے والا سمجھ کر آپ کی سنت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو محض ایک پرانی اور متروک شے قرار دیا جائے، تاکہ ہر دور کا ان کا ہر مفروضہ و مجوزہ حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) اپنے جیسے ساتھیوں کی مدد سے قرآن کریم کو بازیچۂ اطفال بنانے اور اپنی طرف سے دینی مسائل اور جزئیات کو گھڑ لینے میں پوری طرح مادر پدر آزاد اور شتر بے مہار رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت کے ختم ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی اور نیا رسول قیامت تک نہیں آئے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ کی نبوت و رسالت بھی ختم ہو چکی ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت دنیا میں بھی تا قیامت اس معنیٰ میں جاری و ساری ہے کہ آپ کا لایا ہوا کامل دین اور آپ کی لائی ہوئی مکمل شریعت یعنی شریعت محمدیہ پر عمل کرنے اور کرانے کے لوگ پابند رہیں گے۔ اہل علم کا کام شریعت کے مسائل اور احکام کا لوگوں کو بتانا ہے نہ کہ بنانا۔ بتانے اور بنانے میں اگرچہ صرف ایک نقطے کا ہی فرق ہے لیکن مسائل بتانے اور بنانے میں درحقیقت زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مسائل بتانا اہل علم کی ذمے داری ہے اور مسائل اپنی طرف سے بنانا شرک عظیم ہے۔ حکام کا کام شریعت کے مسائل اور احکام کو مسلمانوں میں چلانا (نافذ کرنا) ہے ان کا کام بھی اپنی طرف سے مسائل و احکام بنانا (گھڑ لینا) نہیں۔ ان کی قانون سازی محض نفاذ و تدبیر سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ تشریع کا انہیں کوئی حق حاصل ہے۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے ماخذ و مصادر (یعنی قرآن و سنت) میں کسی کو بھی تغیر و تبدل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ترمیم وتنسیخ کا کوئی حق ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہے ورنہ اسلام اور غیر اسلامی مذاہب وادیان میں کوئی فرق ہی باقی نہیں رہے گا۔

۳۔ سورۃ النساء میں ہے :یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا O (۴۳/ج) ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو اولوا الامر (علما اور حکام) ہیں ان کی (اطاعت کرو) پھر اگر تمہارا کسی چیز میں (ان اولوا الامر سے) اختلاف ہو تو اسے اللہ (کی کتاب) اور رسول کی (سنت) کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے''۔ اس آیت میں بہ ظاہر اللہ، رسول اور اولوالاعر کی اطاعت کا حکم ہے لیکن قرآن کریم کی دوسری آیات نے واضح کر دیا ہے کہ اطاعت دراصل صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی عملی صورتیں پانچ ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جس چیز کا حکم اللہ تعالیٰ نے صراحتاً قرآن کریم میں نازل فرمایا ہے۔ اور اس میں تفصیل وتشریح کی حاجت نہیں جیسے کفر وشرک کا بدترین جرم ہونا، توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی تفصیلات، نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کو فرض سمجھنا وغیرہ یہ وہ احکام قرآنی ہیں کہ ان کی تعمیل براہ راست اور بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اطاعت کی باقی صورتوں میں بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے، چناں چہ اطاعت کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کے مجمل احکام ومضامین کی جو شرح وتفصیل اللہ تعالیٰ نے وحیِ غیر قرآنی سے اپنے رسول کو اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ سے امت کو بتائی، اس سلسلے میں آپ کے اوامر ونواہی (احکام شرعیہ) کی تعمیل کی جائے۔ یہ بہ ظاہر رسول کی اطاعت ہے مگر درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس اطاعتِ رسول کا لوگوں کو حکم دے رکھا ہے۔ اطاعت کی تیسری صورت یہ ہے کہ جو دینی مسائل اور احکام قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہی نہیں ہیں اور وحیِ غیر قرآنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئے ہیں اور آپ نے امت پر اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنت سے ظاہر فرمائے ہیں، تو ان میں بھی آپ کے اوامر ونواہی (احکام شرعیہ) کی تعمیل کی جائے۔ اطاعت کی چوتھی صورت یہ ہے کہ جو مسائل قرآن وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں بل کہ نئے پیش آمدہ مسائل ہیں یا قرآن وسنت کے وہ مسائل جن میں افضل ومفضول، اولیٰ وخلافِ اولیٰ، راجح ومرجوح، ناسخ ومنسوخ یا تعبیر وتشریح کا اختلاف ہے یا قرآن وسنت کے جن مسائل اور مضامین میں بہ ظاہر تعارض موجود ہے، تو ان مسائل میں مجتہدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن وسنت میں غور کر کے اور متعلقہ امثال ونظائر کے پیش نظر جو فیصلے کرتے ہیں ان میں بہ ظاہر اطاعت مجتہدین، علما فقہا اور مفتیان کرام کی ہے، لیکن چوں کہ یہ مسائل قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، لہٰذا بالواسطہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ اطاعت کی پانچویں صورت یہ ہے کہ ایسے احکام اور مسائل بھی ہوتے ہیں جن میں قرآن وسنت کی رو سے کوئی پابندی نہیں ہوتی اور ان کے کرنے اور نہ کرنے دونوں کا لوگوں کو عام حالات میں اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور جنہیں اصطلاح میں مُباحات کہا جاتا ہے تو ان مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اسی طرح ایسے شرعی احکام اور مسائل جن کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لئے مناسب انتظامات، تدابیر اور قوانین کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو اس طرح کے دینی و دنیوی امور میں حکام جو عملی انتظام کرتے ہیں، اس سلسلے میں ان کے اوامر ونواہی (احکام) کی تعمیل کی جائے تو علما اور حکام کی ایسی اطاعت کو اولوا الامر کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ چوں کہ اولوا الامر کی یہ اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہے اور خلافِ شرع کاموں میں ان کی اطاعت ہرگز درست نہیں ہے، لہٰذا اطاعت کی یہ صورت بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ پس سورہ النساء کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اور اولوا الامر کی جس اطاعت کا حکم ہے وہ چوں کہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کے تابع ہے لہٰذا رسول اور اولوا الامر کی یہ اطاعت بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کبھی اس طرح بالواسطہ نہیں ہوتی کہ مخلوق کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار دیا جائے، کیوں کہ مخلوق میں سے رسول کی غیر مشروط اور دوسروں کی مشروط اطاعت کا تو اللہ تعالیٰ نے خود حکم دے رکھا ہے لیکن مخلوق کی عبادت کی اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی بھی شریعت اور کسی بھی زمانے میں ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی پیغمبر ہرگز ہرگز لوگوں کو یہ دعوت نہیں دے گا کہ اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری یا کسی بھی اور مخلوق کی عبادت کرو، لیکن وہ یہ ضرور بالضرور کہے گا کہ اللہ کے حکم سے میری اطاعت کرو، میری اتباع کرو۔ منکرین حدیث کا یہ کہنا سراسر جھوٹ ہے کہ اللہ کا رسول بہ حیثیت رسول انفرادی سطح پر لوگوں سے اپنی اطاعت کرا ہی نہیں سکتا بل کہ ایک جماعتی نظام کے تحت بہ حیثیت حاکم اول یا مرکز اول اپنی اطاعت کرا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکام وعلما (اولوا الامر) کی اطاعت کو رسول کی اطاعت سے الگ عنوان دیا ہے۔ رسول کی اطاعت غیر مشروط اور اولوا الامر کی اطاعت ہمیشہ مشروط ہوتی ہے۔ رسول اور نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ دین کے متعلق اس کے تمام اقوال وافعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحیِ حقیقی یا حکمی پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی اور اسی طرح اس کے رسول اور نبی کی لوگوں پر اطاعت [illegible] معصوم عن الخطا نہیں، لہٰذا ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اوامر ونواہی (احکام) میں خطا کا احتمال ہوسکتا ہے اس لئے ان سے اختلافِ رائے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں اللہ اور رسول یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع کر کے امور متنازعہ کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جس سے اختلاف رائے ہوگا فیصلہ کرنے والا وہ نہیں ہوگا بلکہ کوئی تیسرا فریق یا ادارہ فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا حاکم اعلیٰ ہو یا حکام ماتحت ہوں ان سے اختلاف کی صورت میں ان علما کی طرف یا عدلیہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو قرآن وسنت کی روشنی میں اختلافی امور کا حل تلاش کریں۔ منکرین حدیث کا یہ خیال عقل ونقل ہر دو کے خلاف ہے کہ حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) کا فیصلہ حرف آخر ہوگا۔ یہ تو تب ہی ہوسکتا ہے کہ مرکز ملت کو بلا دلیل محض تحکم (دھکے شاہی) سے ایسے ہی معصوم عن الخطا قرار دیا جائے جیسے نصاریٰ نے اپنے پاپاؤں کو سمجھ رکھا ہے۔ اسلام میں نظام پاپائیت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خود خلفائے راشدین مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو بھی اپنے خلاف شکایتوں میں اسلامی عدالت میں حاضر ہونا اور عدالت کے فیصلے کو قبول کرنا پڑتا تھا۔ ان کے فیصلوں اور اوامر ونواہی (احکام) کے خلاف اگر کسی عام شخص کو کسی دلیل کی بنا پر شکایت ہوتی تو اسے اظہار رائے کی پوری آزادی تھی۔ بلا شبہ عدلیہ کے ارکان اور علما کی علمی مجلس کے ممبران بھی معصوم عن الخطا نہیں ہوتے لیکن ان کے فیصلوں کو حرفِ آخر قرار دینا ایک انسانی مجبوری ہے اور اس مجبوری کے تحت عدلیہ کے ظنی فیصلوں کو یقین کا درجہ دینا اور انہیں قبول کرنا ہوگا۔ عدلیہ کی حیثیت حکام کو نہیں دی جاسکتی۔ عقل ونقل کا فیصلہ یہی ہے کہ عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ ہونا چاہئے۔ خود منتظم اعلیٰ (مرکز ملت) اپنے خلاف لوگوں کی شکایات میں قاضی اور فیصل نہیں ہوسکتا۔ اللہ کا رسول اور نبی چوں کہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے تو وہ بہ یک وقت حاکم بھی ہوسکتا ہے اور قاضی بھی۔ اس کے فیصلے کے خلاف کہیں بھی مرافعے (اپیل) کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ منکرین حدیث کی انتہائی سفاہت وحماقت ہے کہ وہ ہر دور کے غیر معصوم حاکم اعلیٰ کو رسول کے مقام ومنصب پر فائز کرنے کے درپے ہیں اور ساتھ ہی قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

۴۔ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ مضحکہ خیز حد تک لغو اور لچر ہے کہ ان کا (مفروضہ) مرکز ملت اپنے ساتھ منتخب افراد کی مدد سے قرآن کے مطابق حکومت چلائے گا۔ جب وہ اپنے ساتھ منتخب افراد کے مشورے سے دینی مسائل واحکام خود گھڑ لیا کرے گا تو یہ من گھڑت احکام ومسائل قرآن کے مطابق کیسے ہوجائیں گے۔ اگر یہ قرآن میں صراحتاً یا تفصیلاً موجود ہوتے تو ان کو تعیین کرنے میں مرکز ملت کو اپنے ساتھیوں سے مشورے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے جن مجمل مضامین واحکام کی تشریح [illegible] قرآن کے ابہام [illegible] کی تعیین وتفصیل [illegible] اپنے اقوال،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ کے ذریعے فرمائی وہ تو وحیِ الٰہی پر مبنی ہے۔ آپؐ پر صرف قرآنی وحی کا ہی نہیں بل کہ غیر قرآنی وحی کا نزول بھی بہ کثرت ہوا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراتی وحی کے علاوہ غیر توراتی وحی کا نزول بھی ہوا ہے۔ کیوں کہ تورات کے نزول سے سال ہا سال پہلے آپ پر غیر توراتی وحی (وحیِ غیر کتاب) ہی تو نازل ہوتی رہی تھی۔ فرعون کے پاس جب آپ کو بھیجا گیا تو بہ حیثیت رسول ہی بھیجا گیا اور رسول وہی تو ہوتا ہے جس پر وحی کا نزول ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر قرآنی وحی کے نزول پر ہم نے سابقہ مباحث میں متعلقہ عنوانات کے تحت، الحمد اللہ نا قابلِ تردید دلائل وشواہد کا انبار لگا دیا ہے۔ یہاں چند اشارات ہی کافی ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی توقیفی ترتیب اور اس کی کتابت غیر قرآنی وحی سے کرائی ورنہ یہ احکام قرآن میں تو موجود نہیں ہیں۔ اور مثلاً آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت غیر قرآنی وحی سے فرمائی۔ آپ کو قریش مکہ کی ایذا رسانی پر صبر کرنے کا حکم تھا جب تک آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم نہ ملے تو آپ مکہ مکرمہ میں ہی رہنے کے پابند تھے۔ سورہ قلم میں ہے: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (۴۴/الف) ''سو (اے پیغمبر!) تو اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو''۔ یعنی جس طرح حضرت یونسؑ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے آپ اس طرح نہ کریں۔ پس آپ کی ہجرت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ تھی۔ لیکن ہجرت کا یہ حکم قرآن میں تو موجود نہیں ہے۔ اور مثلاً ہجرت کے بعد آپ نے بیت المقدس کو جو قبلہ ٹھہرایا تھا وہ بھی غیر قرآنی وحی کی بنا پر تھا۔ اگر آپ خود اپنی مرضی سے یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے قبلہ متعین کر لینے کے مجاز ہوتے تو آپ شروع ہی سے بیت اللہ (کعبے) کو قبلہ ٹھہراتے، کیوں کہ آپ کا اور آپ کے اولین مخاطب عرب قبائل کا نسلی تعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے اور ان دونوں کا قبلہ کعبہ ہی تھا بل کہ کعبہ کی عمارت بھی انھوں نے اللہ کے حکم سے تعمیر کی تھی۔ بیت المقدس تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحب زادے حضرت اسحاقؑ اور پھر ان کے صاحب زادے حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) اور ان کی نسل بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے۔ یہ بنی اسماعیل کا قبلہ کبھی نہیں رہا تھا۔ پس آپ کا بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرانا یقیناً غیر قرآنی وحی کی بنا پر تھا۔ قرآن کریم میں تو یہ حکم موجود نہیں ہے اور بیت المقدس کے بعد کعبے کو قبلہ بنانے یعنی قبلہ بدلنے کا حکم آپ کو وحیِ قرآنی سے ملا۔ آپ کو تحویل قبلہ کے حکم کا اس قدر شدید انتظار رہتا تھا کہ آپؐ وحی کے انتظار میں بار بار اپنا چہرۂ مبارک آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ (۴۴/ب) بالآخر وحیِ قرآنی کے ذریعے تحویلِ قبلہ کا حکم ملا۔ اگر قبلہ بدلنے کے آپ خود مختار و مجاز ہوتے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحی کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور مثلاً مشرکینِ مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر آپؐ نے جو صلح فرمائی اس میں صحابہ کرامؓ کا مشورہ ہرگز کارفرما نہیں تھا بل کہ کوئی ایک بھی صحابی صلح نامے کی ان شرائط پر راضی نہیں تھا، جو بہ ظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نظر آ رہی تھیں۔ یہ صلح آپ نے غیر قرآنی وحی سے فرمائی ورنہ آپ پر یہ الزام آئے گا کہ اگرچہ آپ کو اہم انتظامی وتدبیری امور میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کا حکم قرآن میں موجود تھا (۴۴/ج) لیکن آپ نے اپنے مرضی چلائی۔ اور مثلاً آپ نے بہت سی ایسی پیش گوئیاں فرمائیں جو صرف حرف صحیح ثابت ہوئیں، حال آں کہ یہ قرآن میں موجود نہیں۔ پس اگر ان پیش گوئیوں کو غیر قرآنی وحی پر مبنی قرار نہ دیا جائے تو آپ میں اور عام نجومیوں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور دست شناسوں میں کوئی فرق اور امتیاز ہی نہیں رہے گا۔ نیز وحی غیر قرآنی کا ثبوت اس سے بھی مل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن دیا اور اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تو ساتھ ہی آپ کو بیانِ قرآن دینے کا بھی وعدہ فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (۴۵/الف) ''پھر اس (قرآن) کا بیان (توضیح وتشریح) بھی ہمارے ذمے ہے''۔

قرآن آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ جبرئیل یعنی وحیِ مَلَکی کے ذریعے عطا فرمایا۔ سورہ بقرہ میں حضرت جبرئیل کے متعلق ارشاد ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴۵/ب) ''تو بے شک اس (جبرئیل) نے اس (قرآن) کو اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اتارا ہے''۔ ادھر سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ پیغمبر پر نزول وحی کی تین صورتیں ہیں کہ اللہ پیغمبر کے دل میں اپنی طرف سے دینی بات ڈال دے یا پس پردہ اس سے براہ راست کلام کرے یا اپنے فرستادہ اور پیغام رساں یعنی فرشتے کو پیغمبر کے پاس بھیجے، اور وہ اللہ کے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی تین صورتیں کیوں متعین فرمائیں اور کیوں نہ ایک ہی صورت پر اکتفا فرمایا، اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے متعلقہ آیت کے آخری حصے میں یہ دیا کہ وہ نہایت ہی بلند و برتر ہے (لہٰذا کسی کو اسی کے کسی کام پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے) اور وہ حکمت والا بھی ہے (یعنی اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے اگر کسی کو اس حکمت کا علم ہو سکے یا نہ ہو سکے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) چناں چہ سورہ شوریٰ کی متعلقہ آیت یہ ہے: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (۴۵/ج) ''کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام رساں (فرشتے) کو بھیجے تو وہ اس (اللہ) کے حکم سے (پیغمبر پر) جو چاہے وحی نازل کرے، بے شک وہ (اللہ) نہایت بلند و برتر (اور) حکمت والا ہے''۔ اس سے ناقابل تردید طریقے سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیانِ قرآن وحی کی مذکورہ تینوں صورتوں میں حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا اور آپ تینوں طرح کی وحی سے یقیناً فیض یاب ہوئے، کیوں کہ آپ تو سید المرسلین ہیں۔ اس بیان قرآن کو آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے لوگوں پر واضح فرمایا۔ چناں چہ دین کے بارے میں آپ جو کچھ بھی فرماتے تھے وہ آپ کی ذاتی خواہش، مرضی اور صواب دید پر نہیں بل کہ وحیِ ربانی پر مبنی ہوتا تھا وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (۴۶/الف) ''اور یہ (پیغمبر) خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے''۔ آیت سے واضح ہے کہ یہاں آپ کا بولنا آپ کے دین کے بارے میں اقوال سے متعلق ہے۔ روزمرہ کے عام دنیوی امور جو طبعاً ہر کسی کو پیش آتے رہتے ہیں ان میں گفت گو کسی وحی کی محتاج نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی آپ کے مخالفین و معاندین کو روزمرہ کے دنیوی امور میں آپ کی بول چال پر کوئی اعتراض تھا یا کوئی اعتراض ہوسکتا تھا۔ ان کا آپ پر الزام صرف اور صرف یہی تھا کہ آپ دین کے متعلق جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ وحی پر مبنی نہیں ہے بل کہ آپ کی ذاتی خواہشات پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی کی تردید اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم کی مذکورہ بالا آیات میں فرمائی ہے اور ضمیر ''ھو'' کا مرجع ''القرآن'' لانے کی بہ جائے نطق رسول (رسول کے بولنے) کو قرار دیا گیا ہے جو کلمات وما ینطق عن الھویٰ سے بہ خوبی ظاہر ہو رہا ہے۔ الغرض دین کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل چوں کہ وحی ربانی پر مبنی ہوتا تھا اس لئے آپ سے متعدد مرتبہ یہ اعلان کرایا گیا: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ (۴۶/ب) کہ میں تو صرف اور صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ آپ نے اگر وحی حقیقی کے بغیر کسی موقع پر اپنے قیاس اور اپنے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور آپ کے ایسے قول و فعل پر اللہ تعالیٰ نے سکوت اختیار فرمایا تو آپ کا ایسا قول و فعل بھی حکماً وحی میں ہی شمار ہوگا کیوں کہ اگر آپ کا اجتہاد و استنباط غلط یا خلافِ اولیٰ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور آپ کو اس پر کسی نہ کسی طریقے سے مطلع فرما کر اصلاح فرما دیتا، چناں چہ شاذ و نادر صورتوں میں اگر بہ تقاضائے بشریت آپ سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا تو اس کی یقیناً اصلاح کر دی گئی تا کہ قرآن کا یہ مضمون سچا رہے کہ دین کے بارے میں آپ کے اقوال و افعال وحی پر مبنی ہیں خواہ یہ وحیِ حقیقی ہو یا بعض صورتوں میں وحیِ حکمی ہو جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے اور تا کہ آپ کا متعدد مرتبہ کا یہ اعلان بھی سچا رہے کہ میں تو صرف اور صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی آیات میں یہ مضمون نہیں لایا گیا کہ میں صرف اور صرف قرآن ہی کی پیروی کرتا ہوں۔ وجہ ظاہر ہے کہ آپ پر قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی کا نزول ہوا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان ما انزل اللہ (جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحی اللہ نے اتاری) کے مطابق فیصلہ کیا کر۔ (۴۶/ج) اب مثلاً دیکھئے آپ نے صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط ہرگز ہرگز صحابۂ کرام کے مشورے سے طے نہیں فرمائیں۔ اب دو ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں یا تو آپؐ نے یہ شرائط اپنی مرضی اور اپنی صواب دید اور اپنی خواہش نفس سے طے فرمائیں، یعنی ما انزل اللہ (وحی) سے طے نہیں فرمائیں، یا آپ نے ما انزل اللہ (وحی) سے طے فرمائیں۔ اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آپ سے یہ اعلان کرانا کیسے درست ہوا کہ میں تو صرف اور صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور یہ کہنا بھی کیسے درست ہوا کہ یہ پیغمبر اپنی خواہشِ نفس سے دین کے بارے میں بولتا ہی نہیں بل کہ یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے؟ ساتھ ہی یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو حکم دیا تھا کہ تو اس کی پیروی کر جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے اور تو (عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت و اخلاق اور لوگوں میں فصلِ خصومات کے متعلق) جو بھی فیصلہ کرے تو ما انزل اللہ (وحی) کے مطابق کیا کر، تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ نے اللہ کے حکم کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ پس لامحالہ دوسری شق کو قبول کرنا پڑے گا کہ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط آپ نے ما انزل اللہ (وحی) کے مطابق طے فرمائیں لیکن یہ وحی یہ ما انزل اللہ قرآن میں تو نہیں ہے تو قطعیت سے ثابت ہوا کہ ما انزل اللہ (وحی) صرف قرآن میں ہی محصور و محدود نہیں ہے بل کہ آپ پر قرآنی اور غیر قرآنی ہر دو طرح کی وحی کا نزول ہوا ہے۔ اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہاں ایک دل چسپ امر یہ بھی ہے کہ منکرین حدیث اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اپنی احادیث کی کتابت سے یہ کہہ کر منع فرما دیا تھا کہ سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو۔ وہ اس سلسلے میں ان تمام احادیث سے مجرمانہ چشم پوشی کرتے ہیں جن سے قطعیت سے ثابت ہوتا ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ نہ صرف آپ کی اجازت بل کہ آپؐ کی ترغیب پر احادیث لکھا کرتے تھے۔ خیر ہم منکرین حدیث سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ جو آپ نے احادیث کی کتابت سے منع فرمایا تھا تو کیا وحی کی بنا پر فرمایا تھا یا آپ نے اپنی مرضی، اپنی صواب دید اور اپنی خواہشِ نفس کی بنا پر منع فرمایا تھا۔ اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آپ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کا نزول ثابت ہو گیا، کیوں کہ پورے قرآن میں یہ حکم کہیں بھی موجود نہیں ہے کہ قرآن تو لکھوایا کرو لیکن احادیث کی کتابت نہ کراؤ۔ اگر دوسری شق اختیار کی جائے تو آپ نے احادیث کی کتابت سے جو منع فرمایا تھا تو وحی کے بغیر اپنی خواہش نفس سے منع فرمایا تھا تو کیا آپ معصوم عن الخطا ہیں یا نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو معصوم عن الخطا کو غلطی پر ہرگز قائم نہیں رہنے دیا جاتا ورنہ اسے معصوم عن الخطا قرار دینا درست نہ رہے گا۔ اور اگر آپ معصوم عن الخطا نہیں ہیں تو وحی کے بغیر آپ جو بھی حکم دیں گے خواہ وہ احادیث کی کتابت نہ کرنے کا حکم ہو یا کوئی اور حکم ہو تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازماً اس میں خطا کا احتمال باقی رہے گا اور آپ کے حکم کا صحیح ہونا یقینی نہیں بل کہ سراسر ظنی ہوگا۔ ظن کا تصور تو منکرین حدیث کے لئے سوہانِ روح ہے وہ یہ رٹ لگاتے تھکتے ہی نہیں کہ ظن دین نہیں ہوسکتا، تو بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی (مفروضہ) ظنی حکم کی بنا پر حدیث کے حجت نہ ہونے پر منکرین حدیث کا استدلال کیسے درست ہوا؟ پس یہ مانے بغیر ہرگز چارہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی کے علاوہ یقیناً غیر قرآنی وحی کا نزول بھی ہوا کرتا تھا۔ اگر آپ نے کسی موقع پر کسی مصلحت کے تحت احادیث کی کتابت سے منع فرمایا تو یہ بھی حقیقی یا حکمی وحی پر مبنی تھا، کیوں کہ احادیث کی حیثیت وحیِ غیر کتاب کی اور قرآن کریم کی حیثیت وحیِ کتاب کی ہے۔ وحیِ کتاب کی کتابت کرانا یا اس کا شروع ہی سے لکھا ہوا ہونا مقصود بالذات ہے اور وحیِ غیر کتاب کی کتابت مقصود بالذات نہیں بل کہ مقصود بالغیر ہے کہ کسی خارجی سبب یا ضرورت کے تحت اس کی کتابت ممنوع نہیں۔ اور اگر کتابت کی کسی وجہ سے ضرورت محسوس نہ ہو یا کتابت نہ کرانا کسی خاص موقع پر زیادہ مناسب ہو تو کتابت کرانے یا نہ کرانے سے وحیِ غیر کتاب کا حجت اور واجب التسلیم ہونا قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ پر تورات کے نزول سے پہلے جو وحی سال ہا سال تک نازل ہوتی رہی وہ وحیِ غیر کتاب تھی آپ نے اس کی کتابت کا کوئی اہتمام نہیں فرمایا لیکن تورات کی حیثیت وحیِ کتاب کی ہے یہ آپ کو لکھی ہوئی صورت میں عطا کی گئی۔ چناں چہ جب آپ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی پر غیظ وغضب کے عالم میں کوہ طور سے واپس بنی اسرائیل کے پاس آئے اور اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو ان کے سر اور داڑھی سے پکڑ کر کھینچنا شروع کیا تو اس سے پہلے آپ نے تورات کی تختیوں کو ایک طرف رکھ دیا تھا۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗٓ اِلَیْهِ ''اور اس (موسیٰ) نے (تورات کی) تختیوں کو ایک طرف رکھا اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا''۔ وحی کتاب اور غیر کتاب کے عنوان کے تحت ہم نے ان مضامین میں سابقہ مباحث میں مفصل بحث کی ہے۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی موقع پر احادیث کی کتابت سے منع فرمانا اور پھر بعد میں متعدد صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما وغیرہ کو کتابت کی اجازت وترغیب دینا وحیِ حقیقی یا حکمی کے بغیر ہرگز نہیں تھا۔ احادیث کی کتابت کرانے یا نہ کرانے بل کہ خود قرآن کریم کی کتابت کرانے اور اسے ترتیب نزولی کی بہ جائے ترتیب توقیفی میں مرتب کرانے کا کوئی حکم قرآن میں موجود نہیں ہے پس منکرین حدیث بے جا ضد اور تعصب سے کام نہ لیں تو انہیں بھی یہ تسلیم کیے بغیر ہرگز چارہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کا نزول ہوا ہے۔ بہ الفاظ دیگر آپ کو قرآن کے علاوہ بیان قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسبِ وعدہ وبشارت دیا گیا۔ آپ نے اس بیانِ قرآن کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے لوگوں تک پہنچایا۔ آپ کی ان سُنن اور خصوصاً سُننِ فعلیہ کا خاصا بڑا حصہ اسی طبقاتی اور عملی تواتر سے امت تک منتقل ہوا جس طبقاتی و عملی تواتر سے قرآن منتقل ہوا ہے۔ ان ہی سُنن کو الفاظ وکلمات میں بیان کرنے کو تحدیث یعنی حدیث بیان کرنا کہا جاتا ہے۔ احادیث کا ظنی ہونا متون واسناد کے اعتبار سے ہے نہ کہ معانی اور مفاہیم کے اعتبار سے ہے۔ ان کے اکثر معانی ومفاہیم تو ہم تک طبقاتی وعملی تواتر وتسلسل سے پہنچے ہیں۔ ہم اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ العزیز یقین اور ظن کے مباحث میں متعلقہ عنوان کے تحت کریں گے۔

جب قرآن اور بیانِ قرآن دونوں اللہ کی طرف سے ہیں اور جب قرآن فہمی بیان قرآن پر موقوف ہے ورنہ اس بیان قرآن کا اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے وعدہ ہی کیوں فرماتا اور اس کی بشارت ہی آپ کو کیوں دیتا، تو بیانِ قرآن بھی اس حد تک یقیناً محفوظ ومعتبر ہے جس سے قرآن کو سمجھا جاسکے اور اس کے مجمل احکام ومضامین پر عمل ہوسکے اور مسلم معاشرے میں ان کا نجی وریاستی، انفرادی واجتماعی سطح پر اجرا اور نفاذ ہوسکے ورنہ اس کے بغیر صرف قرآن کو محفوظ رکھنے کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کا فائدہ ہی کیا ہوا؟ الغرض قرآن اور بیانِ قرآن دونوں ہی اللہ کی طرف سے ہیں۔ ادھر منکرین حدیث کا (مفروضہ ومجوزہ) مرکز ملت اس بیان قرآن کو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی ذاتی خواہش اور مرضی سے بدل ڈالے گا اور دینی مسائل خود گھڑے گا تو یہ قرآن سے کھلی عداوت اور اس سے صریح بغاوت ہے، نہ کہ اسے قرآن سے مطابقت قرار دیا جائے گا۔ نام نہاد مرکز ملت اور اس کے ساتھیوں کے نفوس امارہ پر مبنی دین میں ان کے خود تراشیدہ احکام ومسائل کو قرآن کے مطابق قرار دینا محض جھوٹ کی فصل اور فریب کا جال ہے۔

۵۔ منکرین حدیث کی حماقت وسفاہت پر سخت تعجب ہے کہ اگر اللہ کا رسول، اللہ کے احکام بہ ذریعہ وحی قرآنی وغیر قرآنی لوگوں کو پہنچا کر اور اپنے رسول ہونے کا حوالہ دے کر انفرادی سطح پر ان سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے اور یہ کہے انی لکم رسول امین○ فاتقوا اللہ واطیعون○ "بے شک میں تمہارے لئے (اللہ کی طرف سے) امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو" تو لوگوں پر اس کی اطاعت (معاذ اللہ) حرام ہو لیکن منکرین حدیث کے باطل وفاسد اور مشرکانہ نظریے کے تحت اگر یہی رسول اپنے ساتھیوں کے مشورے سے دینی احکام ومسائل وحی کے بغیر از خود گھڑنے لگے تو نہ صرف اس کی بلکہ اس کے بعد آنے والے حکام اعلیٰ بھی جب اسی طرح دینی مسائل واحکام اپنی مرضی سے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے گھڑ لیا کریں تو ان کی اطاعت فرض عین ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوا الامر (علما وحکام) کی جس اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ تو منکرین حدیث کو ہرگز قبول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں اوراولوا الامر کی جس اطاعت کو اللہ نے شرک قرار دیا ہے وہ اس مشرکانہ اطاعت کو نہایت شرح صدر سے اسی طرح قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، جیسے نصاریٰ اپنے علما اور درویشوں پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کی مشرکانہ اطاعت کرتے ہیں۔ یہاں نہایت مضحکہ خیز صورت یہ ہے کہ یہی منکرین حدیث ساتھ ہی یہ رٹ بھی لگائے جاتے ہیں کہ اطاعت صرف خدا کی ہوسکتی ہے۔ جو لوگ دینی مسائل اور احکام وحی کے بغیر خود گھڑیں گے تو ان کی اطاعت رسول یا خدا کی اطاعت کیسے ہوگئی؟ یہ تو کھلم کھلا شیطان کی اطاعت ہے جسے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اللہ کی اطاعت قرار دیا جارہا ہے۔ غلام احمد پرویز کی اس عبارت پر دوبارہ غور کیجیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ وہ جس مشرکانہ اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دے رہے ہیں اور ساتھ ہی جس مکاری اور عیاری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنن قولیہ وفعلیہ کو ٹھکراتے ہوئے آپ کی اطاعت سے کھلم کھلا انکار بھی فرمارہے ہیں تو کیا ایسی اطاعت دراصل مردود شیطان کی اطاعت نہیں ہے؟

پرویز صاحب لکھتے ہیں ''اطاعت صرف خدا کی ہوسکتی ہے حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کراسکتا...... یہ اطاعت ایک نظام کے تحت ہوتی ہے (انفرادی طور پر نہیں ہوتی) جس کا مرکزِ اول خود رسول ہوتا ہے۔ اس مرکز کی اطاعت کو خدا اور رسول کی اطاعت کہتے ہیں۔ یہی خدا کی حکومت ہے...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ''خلیفۃ الرسول'' رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے اور اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد یہی جدید ''مرکز ملت'' کی اطاعت ہوتی ہے''۔ (۴۷/ب) پرویزی فکر کے مطابق یہ نام نہاد مرکزِ ملت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ یوں لے گا کہ وہ آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کے بیان فرمودہ دینی احکام وجزئیات کو زمانے کے تقاضوں کی آڑ میں اپنے ساتھیوں کے مشورے سے بے دھڑک، بے جھجک اور بلاخوف وخطر الٹ پلٹ کرنے اور ان کا تیا پانچہ کردینے کا مجاز ہوگا یعنی خود ساختہ شارع ہوگا۔ چناں چہ پرویز لکھتا ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے احوال واقتضائات کے مطابق بہ حیثیت مرکزِ دین ان (دینی جزئیات) کا تعین فرمایا۔ بعد میں آنے والے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان میں ردوبدل کرسکتے ہیں'' (۴۷/ج) یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان لگایا جارہا ہے کہ آپ نے قرآن کے مجمل مضامین واحکام کی تشریح وتوضیح اور قرآن پر زائد دینی احکام وجزئیات کا تعین رسول ہونے کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر نہیں کیا بل کہ پہلا مرکز ملت اور پہلا مرکزِ دین ہونے کی حیثیت سے وحی کے بغیر اپنے ساتھیوں کے مشورے سے یہ مسائل خود گھڑ لیے تھے، اور یوں آپ نے شارع حقیقی بن کر خدائی منصب سنبھال لیا تھا اور آپ کے بعد کا ان کا ہر مرکز ملت بھی ایسا ہی شارع ہوگا۔ ایسے (مجوزہ ومفروضہ) مرکز ملت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینا، خلیفہ اور جانشین کے الفاظ کی سخت توہین ہے۔ ایسا نام نہاد مرکز ملت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کے بیان فرمودہ دینی مسائل اور احکام میں اکھاڑ پچھاڑ کرکے اور انہیں درہم برہم کرکے آپ سے کھلی عداوت و بغاوت کا مظاہرہ کرنے والا مجسم شیطان ہوگا، جس کی اطاعت کو ہرگز (پھر دہرایئے) ہرگز اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی اطاعت یقیناً شیطان کی اطاعت ہوگی اور اس کی اطاعت کرنے والے بلاشبہ حزب الشیطان ہوں گے۔

ج ''مرکزِ ملت'' منکرین حدیث کا پوپ

ا۔ ان مباحث میں بارہا بیان کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن ہی نہیں بل کہ بیان قرآن بھی دیا ہے۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (۴۸/ الف) ''پھر اس (قرآن) کا بیان (تشریح وتوضیح بھی) ہمارے ذمے ہے''۔ جب قرآن کی تشریح وتوضیح کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اسی بیانِ قرآن کو اللہ کا رسول وحی کے ذریعے معلوم کرکے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ سے لوگوں پر واضح کرتا ہے، تو مرکز ملت ہو یا کوئی اور جب بھی وہ اللہ اور رسول کے شارحِ قرآن ہونے کے اس حق پر قابض ہونا چاہیے یا قابض ہو بیٹھے تو وہ خود بھی اور اس کے ماننے والے بھی بدترین مشرک ٹھہریں گے۔ عیسائیوں کے متعلق سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''انھوں نے اللہ کے سوا اپنے علما اور درویشوں کو اور مسیح ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) کو رب بنالیا'' (۴۸/ ب) عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یسوع مسیح کہتے ہیں۔ وہ آپ کو تو واقعی زبان سے خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں لیکن وہ اپنے مذہبی رہنماؤں کو زبان سے خدا نہیں کہتے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انھوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بل کہ اپنے علماء اور درویشوں کو بھی (زبان سے نہ سہی لیکن عملاً) رب بنا رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق ان کے مذہبی رہنما عموماً اور ان کا پوپ خصوصاً جو کچھ بھی مذہب کے بارے میں کہتے ہیں تو وہ خدا کی طرف سے کہتے ہیں اور یہ اختیار ان کے مذہبی رہنماؤں پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کو ان کے عقیدے کے مطابق یسوع مسیح نے دے رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہی تو ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک پوپ شارع (قانون ساز) ہے۔ حال آں کہ شارع صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے سورۂ شوریٰ میں ہے: اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ''کیا ان لوگوں کے لئے (اللہ کے ایسے) شریک بھی ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی وہ باتیں وضع کرلیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی''۔ دین میں اللہ نے کن چیزوں اور کن کاموں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجازت دی ہے اور کن کی اجازت نہیں دی، اس کا علم اللہ کے پیغمبر کے ذریعے ہی لوگوں کو ہوسکتا ہے کیوں کہ وہ موردِ وحی ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت محمدیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجازاً شارع کہا جاتا ہے۔ حقیقی شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ صاحبِ شریعت پیغمبروں کو مجازاً شارع اس معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کو بہ ذریعہ وحی معلوم کر کے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ منصبِ نبوت و رسالت پر فائز نہیں انہیں مجازاً بھی شارع نہیں کہا جاسکتا۔ الغرض جب قرآن اور بیانِ قرآن دونوں ہی اللہ کی طرف سے ہیں اور دین کے متعلق پیغمبر کا قول و فعل ہرگز خواہش نفس پر نہیں بل کہ حقیقی یا حکمی وحی کے تابع ہوتا ہے اس لئے جائز و ناجائز اور حلال و حرام وغیرہ کی جو تفصیل بھی پیغمبر بیان کرے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر پیغمبر کے علاوہ کوئی اور اس منصب پر براجمان ہو جائے اور شارح ہونے کے ساتھ ساتھ قولاً یا عملاً شارع ہونے کا دعویٰ کرے تو اس نے اپنے آپ کو خدائی منصب پر فائز کر کے شرک کا ارتکاب کیا اور جو لوگ بھی اسے شارع تسلیم کریں گے وہ بھی مشرک ہو گئے۔ ایسا شخص جب دینی جزئیات، مسائل اور احکام از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے گھڑے گا تو یہ سچے دین کی جزئیات نہیں بل کہ جھوٹے دین کی ہوں گی اور ایسا شخص انہیں دین قرار دے کر اللہ اور اس کے رسول پر بہتان تراشی کرے گا۔ چناں چہ (مثلاً) عیسائیوں کا پوپ نہ تو موردِ وحی ہوتا ہے اور نہ ہی معصوم عن الخطا لیکن پاپائیت کا جواز پیدا کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو خدا کا ایسا نمائندہ ظاہر کرتا ہے جو معصوم عن الخطا (Pianfallible) بھی ہے۔ یہی وہ مشرکانہ عقیدہ ہے جسے منکرین حدیث اپنے خانہ ساز ''نظریۂ مرکز ملت'' کی آڑ میں مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں اور مسلم معاشرے میں نظام پاپائیت کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے پاپاؤں کے ظلم و بربریت اور جبر و استبداد کے ردعمل کے طور پر وٹسٹنٹ چرچ وجود میں آیا اور خود رومن کیتھولک چرچ میں بھی پوپ کو بہ یک بنی و دو گوش معیشت و سیاست سے نکال باہر کیا گیا اور اس کا دائرۂ کار مخصوص مذہبی عقائد اور چند معاشرتی رسوم تک محدود کر دیا گیا۔ لیکن منکرین حدیث کا مجوزہ مرکز ملت ایسا پوپ ہو گا کہ بہ حیثیت حاکم اعلیٰ عبادات، معاملات، معاشرت و اخلاق کے متعلق اس کے فیصلے سے سرتابی کی کسی کو گنجائش نہ ہو گی، اور نہ ہی اس کے فیصلے کے خلاف کہیں بھی مرافعہ (اپیل) کا جواز ہو گا۔

۲۔ عیسائیوں کے نزدیک دینی امور میں ان کے مذہبی رہ نماؤں کا من گھڑت فیصلہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور اسی بدترین شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے منکرین حدیث بھی یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم آیا ہے تو اس سے مراد ''مرکز ملت'' کی اطاعت ہے، یعنی ان کا ہر مفروضہ مرکزِ ملت اللہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول کے منصب پر فائز ہوگا۔ عیسائیوں کا پوپ بھی زندہ و جاگتا اللہ اور رسول ہوتا ہے، کیوں کہ دینی امور میں اس کا فیصلہ حرفِ آخر ہوتا ہے۔ یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ) جوان کے عقیدے کے مطابق خدا اور خدا کے بیٹے ہیں اپنے دشمن یہودیوں کے ہاتھوں مصلوب ہوگئے تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق مصلوبیت کے وقت خدائی کا عنصر ان سے الگ ہوگیا تھا اس وقت وہ انسانی شکل وصورت میں خدا نہیں بل کہ خدا کے نمائندے تھے۔ مصلوب ہونے کے بعد تیسرے دن وہ دوبارہ جی اٹھے تو آسمان پر چڑھ گئے اس لئے ان کے پہلے پوپ پطرس حواری کو دینی امور میں خدا اور رسول دونوں کی ذمے داریاں سنبھالنی پڑیں۔ پھر نسل در نسل ہر آنے والا پوپ = خدا + رسول ہوگیا۔ لیکن یہاں مشکل سوال یہ پیش آیا کہ پوپ بہ ظاہر تو انسان ہی ہوتا ہے اور انسانوں سے انفرادی واجتماعی سطح پر غلطیوں کا صدور بھی تو ہوتا رہتا ہے اس لئے پوپ کا فیصلہ حرفِ آخر اور واجب التسلیم کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا بہترین حل یہ نکالا گیا کہ ہمارا پوپ معصوم عن الخطا (Infallilble) ہوتا ہے۔ (۴۹/ الف) اس پر اشکال یہ وارد ہوا کہ تمہاری (محرّف) بائیبل کی رو سے خدا تو نبیوں تک کو فریب دیتا ہے، مثلاً کتابِ حزقی ایل میں ہے ''اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا''۔ (۴۹/ب) اگر مضمون یہ ہوتا کہ خدا دھوکے باز منافقوں کو دھوکہ دیتا ہے تو بہ آسانی یہ تاویل ہوسکتی تھی کہ یہ بہ طور صنعتِ مشاکلت ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا منافقوں کو ان کے نفاق کی سزا دیتا ہے لیکن تمہارا خدا تو (معاذ اللہ) نبیوں کو بھی دھوکہ دینے سے گریز نہیں کرتا اور بائیبل کے مطابق نبیوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ لوگوں کو دھوکہ دیا کرتے تھے، مثلاً کتابِ یرمیاہ میں ہے ''اس لئے کہ چھوٹوں سے بڑوں تک سب کے سب لالچی اور نبی سے کاہن تک ہر ایک دغاباز ہے''۔ (۴۹/ ج) جب بائیبل کی رو سے خدا اور نبیوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں کو دھوکہ دیا کرتے تھے تو تمہارا پوپ معصوم عن الخطا کیسے ہوگیا؟ تو ان کا منہ زور اور ان کے خیال کے مطابق منہ توڑ جواب یہ ہوا کرتا ہے کہ تم جو چاہو سمجھتے رہو لیکن ہمارا پوپ اور ہمارے مذہبی رہ نما بہ ہر حال معصوم عن الخطا ہیں۔ یعنی عیسائیوں کے پوپ کا معصوم عن الخطا ہونے کا دعویٰ محض تحکم (دھکے شاہی) ہے۔ تعجب ہے کہ عیسائی اپنے مذہبی رہ نماؤں پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کو زبان سے خدا نہیں کہتے لیکن عملاً وہ انہیں یوں خدا بنائے ہوئے ہیں کہ انہیں دینی مسائل اور جزئیات کو متعین کرنے کا مجاز ومختار سمجھتے ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں شرک قرار دیا ہے کہ انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے۔ ادھر پرویزی منکرین حدیث اپنے (مفروضہ و مجوزہ) مرکزِ ملت کو کھلم کھلا اللہ اور رسول تو قرار دے رہے ہیں لیکن زبان سے انہیں معصوم عن الخطا ٹھہرانے کا غالباً تا حال کوئی کھلم کھلا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اگر ان کا مرکزِ ملت (پوپ) بھی عیسائیوں کے پوپ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح معصوم عن الخطا ہے تو انہیں شرمانے کی بہ جائے برملا اس کا اعتراف واقرار کرنا چاہیے۔ اگر معصوم عن الخطا نہیں ہے تو ان کے اس مرکز ملت (پوپ) کی متعین کردہ تمام دینی جزئیات میں خطاء کا بھرپور احتمال بہ ہر حال قائم و دائم رہے گا۔ لہٰذا یہ متعین کردہ جزئیات ظنی ہوں گی اور ظنّ کا تصور تو منکرین حدیث کے لئے سوہانِ روح ہے۔ احادیث کا انکار اسی لئے تو وہ کرتے ہیں کہ یہ ظنی ہیں۔ جو بشری کمزوریاں، میلانات، تعصّبات اور عواطف احادیث کے راویوں میں انہیں نظر آ رہے ہیں، ان بشری خامیوں کے اپنے (مفروضہ ومجوزہ) مرکز ملت اور اس کے ساتھیوں میں نہ پائے جانے کا یقین کیا انہیں اسی طرح حاصل ہے جیسے عیسائیوں کو پوپ کے معصوم عن الخطا ہونے کا حاصل ہے؟ جب پرویزی منکرین حدیث کے مرکز ملت کی متعین کردہ دینی جزئیات ظنی ہوں گی اور ظن ان کے نزدیک دین ہو ہی نہیں سکتا تو عیسائیوں کے نام نہاد معصوم عن الخطا پوپ اور منکرین حدیث کے مرکزِ ملت (پوپ) میں آخر فرق کیا ہے؟ عیسائیوں کے پوپ کا بھی دینی امور میں فیصلہ حرفِ آخر ہوتا ہے اور منکرین حدیث کے پاپاؤں (مراکز ملت) کے فیصلے بھی حرف آخر اور واجب التسلیم ہوں گے۔ پس جس طرح پوپ کا دین دراصل باطل دین ہے اور ہرگز یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے سچے حواریوں کا دین نہیں ہے بعینہ اسی طرح منکرین حدیث کے مفروضہ ومجوزہ مرکزِ ملت (پوپ) کا دین بھی یقیناً باطل دین ہی قرار پاتا ہے اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے ادوار کے اہل حق کے سچے دین یعنی اسلام سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

۳۔ عیسائیوں کا پوپ اپنے عقیدت مندوں کے گناہ جھاڑتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے پاپاؤں نے مختلف جرائم کے لئے معافی نامے فروخت کرنے کی تجارت شروع کر رکھی تھی۔ ہر جرم کی نوعیت کے مطابق معافی ناموں کے الگ الگ نرخ متعین کر رکھے تھے۔ ٹھیک ٹھیک ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منکر حدیث ڈاکٹر عبدالودود (رکن مجلس طلوع اسلام) نے یہ فرمایا تھا کہ گناہوں کے معافی کے لئے مسجد میں استغفر اللہ کہنا کسی کے لئے کافی نہ ہوگا بل کہ اسے خود چل کر ہمارے مرکز ملت کے پاس آنا ہوگا۔ (۵۰/الف)

۴۔ عیسائیوں کا پوپ منتخب ہونے سے پہلے معصوم عن الخطا نہیں ہوتا لیکن منتخب ہونے کے بعد پوپ کا منصب سنبھالتے ہی وہ یکایک معصوم (Infallible) ہو جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح منکرین حدیث کا مجوزہ مرکز ملت (پوپ) بھی جب منتخب ہوکر مرکز ملت کے عہدے پر فائز ہو جائے تو وہ بھی یکایک اللہ+ رسول ہو جاتا ہے اور جس طرح پوپ کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا ہے اسی طرح مرکز ملت کا فیصلہ بھی حرفِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر قرار پائے گا۔

۵۔عیسائیوں کا پوپ دینی مسائل و جزئیات کو اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ مشورے سے متعین کرتا ہے، جو پوپ کو منتخب کرتے ہیں۔عیسائیوں کے خیال میں عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ کفارہ وغیرہ مستحکم اساس پر مبنی ہیں، لہٰذا ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔لیکن دینی مسائل اور جزئیات کو پوپ متعین کرسکتا ہے اور ہر پوپ اپنے سے پہلے پاپاؤں کی طے کردہ جزئیات میں وقت کے تقاضوں کے تحت ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کا مجاز ہے لہٰذا مسیحی شریعت پوپ کے فرامین و احکام اور اس کے متعین کردہ مسائل سے تشکیل پاتی ہے بعینہ ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منکرین حدیث کے مجلّے طلوع اسلام میں کہا گیا ہے ''اس (قرآن) کے اصول محکم اساس پر مبنی ہیں (جسے فطرت اللہ کہا جاتا ہے) جس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی لیکن ان اصولوں کی جزئیات مختلف حالات کے تقاضوں کے تحت ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ان بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے''۔(۵۰/ب) حال آں کہ شریعت کے بنیادی مآخذ قرآن اور بیان قرآن (سنتِ رسول) ہیں۔اجماع اور قیاس بھی ان ہی سے ماخوذ ہیں کہ جن مسائل کو اللہ اور رسول نے حکمت بالغہ کے تحت صراحتاً متعین نہیں فرمایا اور جو نئے پیش آمدہ مسائل ہیں، ان کا حل بھی حقیقتاً قرآن و سنت ہی میں مستور و مضمر ہے جنہیں متعلقہ ماہرین فن یعنی مجتہدین اور فقہائے کاملین ڈھونڈ نکالتے ہیں۔اس لئے قیاس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجتہدین نے یہ مسائل خود متعین کرلئے ہیں بل کہ انھوں نے ان مسائل کے حل کو جو قرآن و سنت میں مستور اور پوشیدہ تھا متعلقہ نظائر و امثال کی روشنی میں اپنے قیاس، اجتہاد اور استنباط سے لوگوں پر ظاہر کردیا۔اسی لئے قیاس کو مسائل شرعیہ کا مثبت نہیں بل کہ مظہر (ظاہر کرنے والا) کہا جاتا ہے۔ دینی مسائل میں اجتہاد کے لئے مجتہد کا حاکم ہونا یا لوگوں کی طرف سے ان کا منتخب نمائندہ ہونا ہرگز شرط نہیں بل کہ متعلقہ امور میں فنی مہارت اس کے لئے شرط ہے۔یہی عقل سلیم کا فیصلہ ہے۔ادھر عیسائیوں کا خیال یہ ہے کہ دینی مسائل کا فیصلہ صرف پوپ ہی کرسکتا ہے اور بعینہ اسی طرح کا عقیدہ منکرین حدیث کا بھی ہے۔چناں چہ منکرین حدیث کی مجلس طلوع اسلام کے ایک معزز رکن ڈاکٹر عبدالودود کا کہنا یہ ہے کہ''...... رسول کے بعد صرف مرکزِ ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے''۔(۵۰/ج)

۶۔''وقت کے تقاضوں، بدلتے ہوئے احوال و ظروف'' کی شیطانی آڑ میں حضرت عیسیٰ کی لائی ہوئی شریعت کا عیسائیوں کے مذہبی رہ نماؤں نے حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی ختنہ کرانے اور خنزیر کا گوشت نہ کھانے کا حکم اسی طرح موجود تھا، جیسے موسوی شریعت میں موجود تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے برملا اعلان فرمایا تھا کہ میں تورات کے اس طرح کے احکام کو منسوخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا اور آپ نے کبھی بھی خنزیر کا گوشت نہیں کھایا تھا۔ (۵۱/ الف) لیکن بعد میں پولس نے اور اسی کی تعلیم کے زیر اثر مسیحی پاپاؤں اور پادریوں نے ان احکام کو ''بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں'' کی آڑ میں منسوخ قرار دے ڈالا۔ بعینہ ٹھیک ٹھیک ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منکرین حدیث کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ان کا ہر مرکز ملت (پوپ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ دینی مسائل میں اکھاڑ پچھاڑ اور انہیں درہم برہم کر دینے کا مجاز و مختار ہے، حتیٰ کہ اگر وہ ضرورت محسوس کرے تو وہ نمازوں کی رکعات کی تعداد اور نمازوں کے اوقات وغیرہ میں بھی تغیر و تبدل کا مجاز ہے۔ متنبّی قادیاں مرزا غلام احمد کے ہم نام منکرین حدیث کے امام غلام احمد پرویز نے لکھا ہے ''تاہم اگر یہ قرآنی حکومت ان مسلّمہ جزئیات (یعنی نمازوں کی تعداد رکعات کی تعداد، اوقاتِ نماز اور ترکیبِ نماز) میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی'' (۵۱/ ب) اور مثلاً منکرین حدیث کے مجلّہ طلوع اسلام میں ہے کہ صرف مردار، بہتا خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں بل کہ محمد صبیح ایڈووکیٹ لکھتا ہے کہ مذکورہ چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے، کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔ (۵۱/ ج) یعنی کتا، گیدڑ، ریچھ، بندر، بلّی، چوہا، نیولا، چیل، چمگادڑ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے تو کچھ یوں دکھائی دیتا ہے کہ محمد صبیح ایڈووکیٹ جیسے منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے مذکورہ جانوروں اور پرندوں کا گوشت فرض اور ثواب سمجھ کر خوب خوب کھاتے ہوں گے۔ اور مثلاً اسی مجلّے طلوع اسلام میں ہے ''میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض صرف دو نمازیں ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں۔ باقی سب نوافل'' (۵۶/ الف) یہ تو مفروضہ قرآنی نظام کے قیام اور مفروضہ مرکز ملت کے ظہور سے پہلے کے حالات ہیں جب یہ مفروضہ قرآنی نظام (جسے درحقیقت شیطانی نظام کہنا چاہئے) قائم ہوگا تو کیا کچھ ہوسکتا ہے اسے سمجھنے کے لئے زیادہ فہم و فراست کی ضرورت نہیں۔

۷۔ قبل ازیں ہم بتا چکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی (محرّف) بائیبل کا خدا بھی اور اس کے نبی بھی (معاذ اللہ) فریبی اور دغاباز ہیں۔ پرویزی منکرین حدیث نے یہود و نصاریٰ کی اس روش کا متبادل یہ نکالا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کو ہم تک منتقل کرنے والے محدثین کرام کو انھوں نے ایسے عجمی سازشی قرار دیا جو عجمی ٹکسالوں میں دھڑا دھڑ حدیثیں تراشا کرتے تھے۔ لوگوں کے سامنے جھوٹی احادیث پیش کرنے والے فریبی اور دغاباز ہوتے ہیں تو منکرین حدیث اگر اللہ تعالیٰ اور نبیوں کو کھلم کھلا (معاذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ) فریبی اور دغاباز نہیں کہتے تو انھوں نے اس کی تلافی محدثین کرامؒ کو فریبی اور دغاباز ٹھہرا کر کر دی۔ تاہم وہ آج تک یہ نہیں بتا سکے کہ اگر کسی سکے کی بازار میں سرے سے کوئی قدر و قیمت ہی نہ ہو تو عجمیوں کو یا کسی کو بھی جھوٹے سکے گھڑنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔ اگر حدیث منکرین حدیث کے نزدیک سرے سے حجت ہی نہیں تو عجمیوں کو عجمی ٹکسالوں میں حدیثیں گھڑنے کا شوق ہی کیوں پیدا ہوا؟ حدیث کے علاوہ دیگر اسلامی علوم وفنون کی جمع وتدوین میں بھی عجمیوں نے بھرپور حصہ لیا ہے تو وہ کیسے قابل قبول ہو سکتے ہیں، مثلاً عربی صرف ونحو، لغت، بیان ومعانی وغیرہ پر عجمیوں کی کتب سے منکرین حدیث کیوں استفادہ کرتے ہیں؟ حجیت حدیث کے سلسلے میں منکرین حدیث کے موقف میں سخت اختلاف وتضاد اور انتشار واضطراب پایا جاتا ہے۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ حدیث سرے سے حجت ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ روایات کا پورا سلسلہ ہی اسلام کے خلاف سازش ہے۔ (۵۲/ب) محمد اسلم جیراجپوری نے لکھا ہے ''...... یہ خلاف اس کے نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ہم کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے'' (۵۲/ج) کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں، آپ نے قرآن کریم کے مجمل مضامین و احکام کی جو تشریح وتوضیح فرمائی ہے اور جن دینی جزئیات اور مسائل کا تعین فرمایا ہے، یہ سب کچھ دور نبوی کے لئے تھا۔ آپ کے بعد ہر زمانے کے لحاظ سے ان میں تغیر وتبدل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ابھی ان مباحث میں اوپر ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں۔ کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل حجت تو ہے لیکن چوں کہ ہم تک باوثوق اور معتبر ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے قابل اعتماد نہیں رہا۔ (۵۳/الف) اب دیکھئے اگر حدیث سرے سے ہی حجت نہیں یا یہ صرف دور نبوی کے لئے حجت تھی، بعد کے ادوار کے لئے حجت نہیں رہی تو اس طرح کے سوالات تو سرے سے خارج از بحث ہو جاتے ہیں کہ حدیث ہم تک ظنی ذرائع سے پہنچی ہے یا یقینی ذرائع سے منتقل ہوئی ہے، عجمی ٹکسالوں میں یہ احادیث گھڑی گئی تھیں یا نہیں؟ جس سکے کی بازار میں سرے سے کوئی قدر و قیمت ہی نہ ہو اس کے باوجود کوئی شخص اس کے کھرے اور کھوٹے ہونے کی بحث میں پڑ جائے تو اسے پرلے درجے کا احمق ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر حدیث سب ادوار کے لئے حجت ہے لیکن ہم تک معتبر ذرائع سے نہیں پہنچی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن فہمی حدیث پر موقوف ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو حدیث کو حجت قرار دینے کا کیا مطلب ہوا؟ اگر موقوف ہے اور حدیث کا پورا ذخیرہ (معاذ اللہ) ناقابل اعتماد اور غیر محفوظ ہے تو قرآن کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ قرآن میں فرمایا ہے اس کا فائدہ ہی کیا ہوا؟ ناقابل فہم کتاب کو محفوظ رکھنا ایک عبث فعل ہے اور عبث کام [illegible] جن ذرائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہم تک پہنچی ہے اور محدثین نے صحیح اور غلط احادیث وروایات میں امتیاز کے لئے جو اصول روایت ودرایت متعین کئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہیں، لہٰذا ہمارے نزدیک بھی معتبر ومستند ہیں ورنہ قرآن فہمی حدیث پر موقوف ہو اور حدیث محفوظ نہ ہو تو قرآن کا محفوظ ہونا بھی (معاذ اللہ) قطعاً بے مقصد اور لایعنی قرار پاتا ہے لہٰذا منکرین حدیث ہی جھوٹے ہیں۔ اور اپنے موقف پر ان کا عجیب وغریب تضاد بھی انہیں کذاب قرار دینے کے لئے بہ جائے خود کافی، شافی اور وافی ہے۔

قارئین کرام نے مسیحی پاپائیت اور منکرین حدیث کی پاپائیت میں حیرت انگیز اور دل چسپ مشابہت ومماثلت ملاحظہ فرمالی۔ جب اللہ کے سچے رسول کی سنتِ مبارکہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو ناقدرشناسی سے خیر باد کہا جائے گا تو ہر دور کا ایک مصنوعی اور جعلی رسول بل کہ مصنوعی اور جعلی اللہ + رسول تو آخر تراشنا ہی پڑے گا خواہ اسے اصطلاحی طور پر پوپ کہا جائے یا مرکز ملت یا کچھ اور قرار دیا جائے۔ جب ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت ہو چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی طرح بیانِ قرآن بھی وحی کے ذریعے ملا ہے۔ تو کسی بھی طرح کس بھی پوپ، کسی نام نہاد مرکز ملت یا کسی بھی اور فرد یا افراد کا من گھڑت بیان قرآن اس سچے بیانِ قرآن کا ہرگز ہرگز متبادل (Alternative) نہیں ہوسکتا جو قرآن لانے والے پیغمبر خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ ذریعہ وحی ملا اور جسے آپ نے اپنی سنت اور اپنے اسوہ حسنہ سے امت تک پہنچایا۔ اس سچے بیانِ قرآن کا جھوٹا متبادل جو بھی پیش کرے گا وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قرآن کریم کا کھلا دشمن ہوگا۔

د: ہوائی قلعے کی تعمیر

کیا منکرین حدیث کا تصور ''مرکز ملت'' عملاً نافذ بھی ہوسکتا ہے، اس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے اور اس پر ''نہ نو من تیل ہوگا اور نہ رادھا ناچے گی'' کی ضرب المثل پوری طرح چسپاں ہوتی ہے۔ لیکن ہوائی قلعے تعمیر کرنے اور شیخ چلی کے منصوبے باندھنے سے کون کسی کو روک سکتا ہے۔ یہاں درجِ ذیل امور توجہ طلب ہیں:

۱۔ امت مسلمہ کی عظیم اکثریت ہمیشہ سے سنتِ رسول کو شریعت کا اہم ماخذ قرار دیتی چلی آئی ہے۔ طبقاتی اور عملی تواتر اس کی پشت پر ہے، لہٰذا انکار حدیث کے جھوٹے مسلک کو ان میں ہرگز قبولیت عامہ حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ امت کا رشتہ اس کے عظیم ماضی سے منقطع نہ کر دیا جائے۔ ایسے خبیث اور مذموم مقاصد کی تکمیل میں اہل باطل نہ پہلے کبھی کامیاب ہوئے ہیں اور نہ کبھی آئندہ ہوسکتے ہیں، الّا یہ کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے چند سر پھرے عقیدت مندوں کی کچھ عرصے کے لئے ''واہ واہ'' انہیں دھوکے میں ڈالے رکھے۔

۲۔ بنوعباس کی خلافت کے بعد تا حال امتِ مسلمہ انتظامی اور سیاسی اعتبار سے مختلف مملکتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس لئے منکرین حدیث کے لئے ہر ملک کا الگ الگ مرکز ملت ہوگا جو خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے قرآن کریم کا شارح ہونے کے ساتھ ساتھ شارع بھی ہوگا۔ قرآن میں جہاں جہاں بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے اس سے چوں کہ منکرین حدیث کے نزدیک ''مرکز ملت'' کی اطاعت مراد ہے اس لئے ہر ملک کا ''اللہ ورسول'' الگ الگ ہوگا، اور چوں کہ مرکز ملت کے فیصلوں سے اختلاف وانحراف کی کسی کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوگی اس لئے امت مسلمہ میں بہ یک وقت یہ بیسیوں ''اللہ و رسول'' یک ساں مقام اور مرتبے کے حامل ہوں گے اور قرآن کریم کے مجمل مضامین واحکام کی تعبیر و تشریح میں مادر پدر آزاد اور شتر بے مہار ہوں گے۔

۳۔ جب ہر مسلم مملکت کا مرکز ملت یعنی منکرین حدیث کا ''اللہ ورسول'' الگ الگ ہوگا تو مثلاً مصر کا ''اللہ ورسول'' اقامتِ صلوٰۃ کی یہ تعبیر کرسکتا ہے کہ اس سے محافل رقص وسرود مراد ہیں، کیوں کہ صلوٰۃ کا لغوی مفہوم ''کولہے ہلانے'' کا بھی ہے۔ شام کا ''اللہ ورسول'' دور حاضر کی مصروف زندگی کے پیشِ نظر نمازوں کے اوقات اور رکعات کی تعداد میں خاصی تخفیف کرسکتا ہے۔ ترکی کا ''اللہ ورسول'' یہ فیصلہ صادر کرسکتا ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں اجڈ، وحشی اور بدوی عربوں کو نظم ونسق کا عادی بنانے کے لئے نماز فرض کی گئی تھی اور اس کے اوقات متعین کیے گئے تھے۔ قرآن کریم کے اس طرح کے احکام اسی طرح ''عبوری مدت'' کے لئے تھے جیسے منکر حدیث غلام احمد پرویز کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے ''نظام ربوبیت'' میں نجی ملکیت حرام ہے اور اموال میں زکوٰۃ وصدقات، وصیت ووراثت، بیع وشرا وغیرہ کے احکام محض عبوری دور کے لئے تھے۔ (۵۳/ب) اس لئے دور حاضر کے روشن خیال اور مہذب ومتمدن معاشروں کے افراد کو ''بدلتے ہوئے احوال وظروف کے تقاضوں'' کی روشنی میں نماز روزہ جیسے ''فرسودہ'' احکام کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی وقت معیشت کی ترقی کے لئے کھیتوں، کارخانوں وغیرہ میں پیداواری کاموں کے لئے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کا ''اللہ ورسول'' اقامتِ صلوٰۃ کی یہ تشریح کرسکتا ہے کہ ہر شخص صبح کو ناشتہ تو کرتا ہی ہے اور ہر مہذب شخص کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتا ہے اس لئے اگر وہ پورا وضو کرلیا کرے اور گھر کے دیگر افراد کے ہم راہ باجماعت قبلہ رخ ہوکر ناشتہ کیا کرے، کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرے اور کھانا کھانے کے بعد زبان سے اللہ کا شکر کرلیا کرے اور رات کے کھانے پر یہی طریقہ اختیار کرے تو اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ ادا ہوجائے گا۔ اس میں نماز والا قیام بھی آ گیا، کیوں کہ وہ کھڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کی حالت میں منہ ہاتھ دھونے (وضو کرنے) کے لئے گیا تھا۔ اور قعدہ بھی آ گیا کیوں کہ اس نے بیٹھ کر کھانا تناول کیا تھا۔ رکوع اور سجود بھی آ گیا کیوں کہ منہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے کچھ آگے جھکنا ہی پڑتا ہے بل کہ خاصا آگے جھکنا پڑتا ہے تاکہ سالن وغیرہ کپڑوں پر نہ گرے۔ اس میں قرأت بھی آ گئی کیوں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن ہی کی آیت ہے۔ انڈونیشیا کے ''اللہ و رسول'' کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اقامتِ صلوٰۃ کا معنیٰ ''قوانینِ فطرت کے پیچھے پیچھے چلنا'' کرے بالکل ایسے ہی جیسے پرویز نے اقامتِ صلوٰۃ کا معنیٰ ''قانون ربوبیت کے پیچھے پیچھے چلنا'' کیا ہے۔ (۵۳/ ج) جو لوگ حفظانِ صحت کے فطری وطبعی قوانین کا خیال نہیں رکھتے اور چوں کہ یہ قوانینِ فطرت رب العالمین ہی کے بنائے ہوئے ہیں اس لئے جو لوگ اپنی جسمانی وذہنی صحت کی حفاظت سے غافل ہیں تو ایسے لوگوں کو وضو اور غسل کی تعلیم جسمانی صحت کی حفاظت وبرقراری کے لئے دی گئی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں وہ تیمم صرف وضو اور غسل کی یاددہانی کے لئے کیا کریں گے اور مقررہ اوقات میں ایک کھلے میدان میں قبلہ رخ ہو کر اٹھنے بیٹھنے، آگے جھکنے اور زمین پر سر رکھنے وغیرہ کی مخصوص ورزشیں ماہرین کی نگرانی میں کریں گے تو اس سے اقامتِ صلوٰۃ کا فرض پورا ہو جائے گا۔ جو لوگ از خود حفظانِ صحت کے مسلمہ قوانین خداوندی کے پیچھے پیچھے چلتے ہوں، انہیں کسی کی نگرانی میں کسی اقامتِ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں اور یہ جو قرآن میں آیا ہے کہ نماز ''المومنین'' پر مقررہ اوقات میں فرض ہے (۵۴/ الف) تو مرکز ملت یعنی منکرین حدیث کے ''اللہ و رسول'' کو یہ کہنے کا حق حاصل ہو گا کہ یہاں لفظ ''المومنین'' پر جو الف لام ہے وہ استغراق (جملہ افراد کا احاطہ کرنے) کے لئے نہیں ہے جس طرح وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ''(یہودی) نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے'' میں ''النبیین'' میں الف استغراق کے لئے نہیں ہے۔ یہودیوں نے سارے نبیوں کو تو قتل نہیں کر ڈالا تھا۔ دیگر مسلم ممالک کے ''اللہ و رسول'' بھی اپنی طرف سے نہ صرف اقامتِ صلوٰۃ بل کہ دیگر قرآنی احکام کی الگ الگ تعبیر وتشریح کا حق رکھتے ہوں گے۔

۴۔ الغرض جب ہر ملک کا ''اللہ اور رسول'' بہ صورت مرکز ملت الگ الگ ہو گا تو قرآن کریم کی تعبیر وتشریح اور زندگی کی عملی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قانون سازی بھی الگ الگ ہو گی۔ چوں کہ منکرین حدیث کے خیال کے مطابق مرکز ملت جو دینی جزئیات، احکام اور مسائل متعین کرتا ہے ان سے ہی شریعت تشکیل پاتی ہے (۵۴/ ج) لہٰذا ہر ملک کے ہر ''اللہ و رسول'' کی الگ الگ شریعت ہو گی۔ اس صورتِ حال سے امت میں جو افتراق وانتشار پیدا ہو گا اسے معلوم کرنے کے لئے کسی نجومی کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر [illegible] کے مجلّہ ''طلوع اسلام'' میں اس بات کو اکثر دہرایا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ فرقہ سازی اور فرقہ پرستی قرآن کریم کی رو سے شرک ہے۔ منکرین حدیث میں جو حضرات منصب فتویٰ پر فائز ہیں وہ یہ وضاحت فرمائیں کہ مختلف مسلم ممالک کے مراکز ملت (اللہ و رسول) کی وجہ سے جتنے فرقے بنیں گے تو امت مسلمہ میں شرک سے بچ نکلنے والے لوگ کون سے، کہاں اور کتنی تعداد میں ہوں گے؟

۵۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''جو لوگ اپنے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں اور اختلافات میں اللہ کے رسول کو شرح صدر سے فیصل تسلیم نہیں کریں گے وہ ہرگز مومن نہیں (۵۵/ الف)۔'' جن لوگوں نے رسول کی نافرمانی کی ہوگی وہ قیامت کے دن آرزو کریں گے کہ کاش انہیں دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا بلکہ زمین کے ساتھ ہی ہموار کر دیا جاتا''۔ (۵۵/ب) ''جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا وہ جہنم رسید ہو گا''۔ (۵۵/ ج) ''جو لوگ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں وہ کسی فتنے میں نہ پڑ جائیں اور کہیں انہیں دردناک عذاب نہ آ پکڑے''۔ (۵۶/ الف) ''قیامت کے دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش میں نے رسول کے ساتھ سیدھی راہ اختیار کی ہوتی۔ جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلے طور پر سیدھے راستے سے بھٹک گیا''۔ (۵۶/ ب) ''اپنی آوازوں کو رسول کی آواز سے اونچا نہ کرو اور جس طرح باہم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اس طرح رسول کے سامنے زور سے نہ بولا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''۔ (۵۶/ ج) ''اللہ اور اس کے فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں (یعنی اللہ رسول پر رحمت نازل کرتا ہے اور فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی اس پر (دل و جان سے) خوب خوب درود و سلام بھیجا کرو''۔ (۵۷/ الف) ''نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں''۔ (۵۷/ب)۔ منکرین حدیث کے اکابر اس امر کی وضاحت فرمائیں کہ اس طرح کے قرآنی مضامین کا ان لوگوں پر بھی اطلاق ہوگا یا نہیں جو ان کے مرکز ملت (اللہ و رسول) کی مخالفت اور نافرمانی کریں گے، کیا مرکز ملت کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہوں گی، کیا مرکز ملت پر درود و سلام بھیجنا بھی مسلمانوں کے ذمے ہوگا۔ کیا مرکز ملت کی آواز پر جو اپنی آوازوں کو بلند کریں ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ؟

۶۔ ہر مسلم ملک کے لئے جو مقدس مرکز ملت (اللہ و رسول) منتخب ہوگا تو اس کے انتخاب کا طریق کار کیا ہوگا؟ رسول اور نبی کو تو اللہ چنتا ہے اور وہ اس کے لئے لوگوں سے مشورہ نہیں فرماتا۔ کیا مرکز ملت کو بھی اسی طرح اللہ منتخب کیا کرے گا؟ اگر نہیں تو یہ مرکز ملت ''اللہ اور رسول'' کیسے بن جائے گا؟ کیا قرآن میں کہیں بھی اس طرح کا مضمون [illegible] کی اطاعت کرنا تم پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرض ہے؟ حاکم اعلیٰ کو جب اللہ نہیں چنے گا تو وہ اولوا الامر میں شامل ہوگا اسے رسول بل کہ اس سے بھی بڑھ کر ''اللہ اور رسول'' کے منصب پر فائز سمجھنا پرلے درجے کی حماقت وسفاہت نہیں؟ اس مرکز ملت (اللہ ورسول) کا انتخاب یک جماعتی نظام کے تحت ہوگا یا مختلف سیاسی جماعتیں اسے منتخب کریں گی؟ امت کے اس طرح کے ''بہترین افراد'' کے بہترین ہونے کا معیار کیا ہوگا؟ انہیں منتخب کرنے والے کس سطح اور کس معیار کے لوگ ہونے چاہئیں؟ کیا یہ مرکز ملت تاحیات لوگوں کے لئے ''اللہ ورسول'' رہے گا یا اس کا نیا انتخاب ہر چند سالوں کے بعد ہوا کرے گا؟ اگر پہلا مرکز ملت دوبارہ اسی منصب کا امیدوار ہو تو اس سابق ''اللہ اور رسول'' کو ووٹ نہ دینے والے مسلمان رہیں گے یا اس کی مخالفت کر کے کافر ہو جائیں گے؟ اگر مرکز ملت تاحیات اپنے منصب پر فائز رہے گا تو ہوسکتا ہے کہ اس کا انتخاب معمولی سادہ اکثریت سے ہوا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ متعدد سیاسی جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت کی طرف سے امیدوار ہونے کی وجہ سے صرف اس جماعت کو زیادہ ووٹ ملنے کی وجہ سے وہ منتخب ہو گیا ہو لیکن من حیث المجموع پورے ملک کی آبادی کی اکثریت کا نمائندہ نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ منتخب ہونے کے چند سال بعد ملک کی آبادی بڑھ جائے یا جنہوں نے اسے منتخب کیا ہے ان کی نظروں سے گر جانے کی وجہ سے وہ اکثریت کا نمائندہ نہ رہے تو کیا وہ پھر بھی ''اللہ اور رسول'' ہی رہے گا؟ جس رسول اور نبی کو اللہ تعالیٰ چنتا ہے تو کیا لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہیں اللہ کے رسول اور نبی کو اس کے منصب سے معزول کر دیں؟ اگر نہیں اور اگر مرکز ملت بھی رسول ہی نہیں بل کہ منکرین حدیث کی نظر میں ''اللہ ورسول'' ہے تو اسے معزول کرنے کا لوگوں کو حق کیوں حاصل ہوگا؟۔

۷۔ جب ہر مسلم ملک کا الگ الگ مرکز ملت (اللہ ورسول) ہوگا تو بالفرض ایک ''اللہ ورسول'' دوسرے ''اللہ ورسول'' کے ملک پر حملہ آور ہو جائے جیسے عراق وایران اور عراق وکویت کی جنگ ہوئی تھی تو دیگر مسلمان ممالک کے ''اللہ ورسول'' کون سے ''اللہ ورسول'' کی حمایت اور کون سے ''اللہ ورسول'' کی مخالفت کریں گے؟ کیا کسی ''اللہ ورسول'' کی مخالفت سے کفر تو لازم نہیں آئے گا؟

۸۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پرویزی فکر کے مطابق خلفائے راشدینؓ اپنے اپنے دور میں معیاری ''مراکز ملت'' تھے تو کیا بعد کے ادوار میں دور حاضر تک کے معیاری ''مراکز ملت'' کی منکرین حدیث نشان دہی فرما سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہوگا۔ چناں چہ پرویز صاحب لکھتے ہیں ''...... میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی نسبت مغربی اقوام کے غیر مسلم قرآن کی آواز کو زیادہ توجہ سے سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے کہ مسلمانوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جو کچھ ہزار برس سے ہوتا چلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آرہا ہے اسے کس طرح چھوڑ دیا جائے؟'' (۵۷/ج) ادھر مستقبل میں بھی پرویزی ساخت کے ''مرکز ملت'' کے ظہور وصدور کا دور دور تک کوئی امکان نہیں۔ ہاں اگر کوئی سر پھرا اور از خود رفتہ ہوائی قلعے تعمیر کرتا رہے یا شیخ چلی کی طرح خیالی پلاؤ پکاتا رہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ ادھر دیکھئے کہ منکرین حدیث کے نزدیک قرآن میں جہاں جہاں بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد ''مرکز ملت'' کی اطاعت ہے۔ غور کیجئے کہ جب صحیح مرکز ملت کا عہدہ سینکڑوں برس سے خالی چلا آرہا ہے اور آئندہ بھی یہ آسامی خالی ہی رہے گی تو اللہ اور رسول کی اطاعت کا جو حکم قرآن میں بارہا آیا ہے اسے ہمیشہ کے لئے معطل وموقوف ماننا پڑے گا اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اپنا رسول بھیج کر اور اس پر قرآن اتار کر (معاذ اللہ) خواہ مخواہ کا تکلف فرمایا۔ پس منکرین حدیث کے نزدیک قرآن سرے سے مقصود بالذات ہے ہی نہیں اور اس پر ایمان کا ان کا دعویٰ خالصتاً فریب نفس ہے۔ ان کا اصل مقصد اشترا کی نظام معیشت کا قیام ہے جس میں لوگوں کو نجی ملکیت کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا اور تمام ذرائع پیداوار ریاست وحکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ اسی ملحدانہ نظام معیشت کو ''مشرف بہ اسلام'' کرنے کے لئے اس کا نام غلام احمد پرویز نے ''قرآنی نظام ربوبیت'' رکھا ہے اور اسے بزعم خویش قرآن کے بطن سے برآمد کرنے کا شرف سب سے پہلے صرف ان ہی کو حاصل ہوا ہے، چناں چہ وہ اپنی کتاب ''قرآنی نظام ربوبیت'' میں لکھتے ہیں ''جہاں تک میرا مطالعہ رہ نمائی کرتا ہے قرنِ اول کے بعد (کہ جس میں یہ نظام اس زمانے کے حالات کے مطابق عملی شکل میں قائم ہوا تھا) اسلام کی تاریخ میں میری یہ پہلی کوشش ہے جس میں اس نظام کو سامنے لایا گیا ہے''۔ (۵۸/الف) کیا واقعی قرنِ اول میں پرویز کا (مفروضہ) قرآنی نظام ربوبیت قائم ہوا تھا؟ خود پرویز صاحب کی تحریریں بول رہی ہیں کہ ہرگز (پھر دہرایئے) ہرگز نہیں۔ چناں چہ اپنی اسی کتاب ''قرآنی نظام ربوبیت'' میں انھوں نے لکھا ہے ''خود ہماری تاریخ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگ زکوٰۃ کا روپیہ جھولیوں میں لئے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا......'' (۵۸/ب) اس سے معلوم ہوا کہ قرنِ اول میں ہرگز ہرگز پرویزی سوچ کا کوئی نظام ربوبیت قائم نہیں تھا۔ لوگ صاحب اموال تھے۔ ان کی زمینیں اور جائیدادیں تھیں۔ حکومت نے ذرائع پیداوار اپنی تحویل میں نہیں لے رکھے تھے ورنہ لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہی کیوں ہوتی اور وہ زکوٰۃ کی رقم جھولیوں میں بھر کر زکوٰۃ لینے والوں کی تلاش میں گلیوں اور سڑکوں پر حیران وسرگرداں کیوں پھرتے رہتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی عدل واحسان، خوفِ خدا اور خدمت خلق کے پاکیزہ احساسات پر مبنی جو بہترین اور عادلانہ نظام معیشت قائم فرمایا تھا وہ نہایت ہی بابرکت تھا کہ اس کے معاشرے میں رزق کی فراوانی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی نظامِ ربوبیت کے نام پر کوئی اشتراکی معاشی نظام اور کوئی اشتراکی معاشرہ قائم نہیں فرمایا تھا۔ لیکن اس کے برعکس پرویز کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن نازل ہی اس لئے ہوا تھا کہ ان کا مفروضہ قرآنی نظامِ ربوبیت دنیا میں قائم ہو جائے۔ چناں چہ وہ اپنی اسی کتاب ''قرآنی نظامِ ربوبیت'' میں لکھتے ہیں ''حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی ساری تعلیم کا منتہیٰ ومقصود قانونِ ربوبیت کے مطابق معاشرہ کا قیام ہے۔ پورا قرآن ان تفاصیل سے بھرا پڑا ہے.....'' (۵۸/ ج) اب خوب غور کیجئے کہ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدینؓ نے کبھی بھی پرویزی منکرین حدیث کی فکر اور سوچ کا ''قرآنی نظامِ ربوبیت'' کے نام پر کوئی اشتراکی معاشرہ قائم ہی نہیں فرمایا تھا تو کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ قرآن کے اصل منتہیٰ اور مقصود کو (جس کی تفاصیل سے بہ قول پرویز پورا قرآن بھرا پڑا ہے) وہ بہ روئے کار ہی نہ لا سکے تو کیا وہ پرویزی ''فلسفۂ قرآن'' کی رو سے ناکام ترین ''مراکزِ ملت'' نہیں تھے؟ کیا ان بیہودہ مفروضات کی رو سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ اور آپ پر قرآن کا نزول (معاذ اللہ) قطعاً عبث اور غیر مفید رہا؟ بتائیے کہ مستقبل کے کسی (مفروضہ) مرکزِ ملت سے کون سی امید وابستہ کی جاسکتی ہے؟

۹۔ اگر اس جھوٹ کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کا مرکزِ اول یعنی پہلا مرکزِ ملت ہونے کی حیثیت میں قرآنی نظامِ ربوبیت کے نام پر کوئی اشتراکی معاشرہ قائم فرمایا تھا۔ تو پرویزی افکار ونظریات کی ''برکت'' سے قرآن کریم کو سرے سے کتابِ ہدایت ہی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پرویز نے اپنی اسی کتاب میں ایمان بالغیب کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے ''خدا کے نظامِ ربوبیت کے اَن دیکھے نتائج پر یقین رکھنا'' ۔ (۵۹/ الف) ادھر قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ہی یہ فرمایا گیا ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۵۹/ ب) ''یہ (قرآن) ایسی کتاب ہے جس (کے سچے ہونے) میں کوئی شک نہیں یہ متقین کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں تا آخر مضمون'' ۔ جب پرویز صاحب کے نزدیک ایمان بالغیب کا معنیٰ یہ ہے کہ خدائی نظامِ ربوبیت کے اَن دیکھے نتائج پر یقین رکھا جائے تو اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں یہ خدائی نظامِ ربوبیت قائم ہو گیا تھا تو اس نظام کے نتائج وثمرات کو ہرگز ''اَن دیکھے'' قرار نہیں دیا جاسکتا یہ تو سب کے سامنے ہونے کی وجہ سے محسوس ومُشاہد ہو گئے اور قرآن تو پرویزی فکر کے مطابق صرف ان متقین کے لئے ہدایت ہے جو خدائی نظامِ ربوبیت کے اَن دیکھے نتائج پر یقین رکھتے ہوں۔ لہٰذا قرآن ان خبیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افکار ونظریات کی رو سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) دور نبوی اور دور خلفائے راشدینؓ میں بھی کتاب ہدایت نہیں رہا تھا۔ بعد کے ادوار میں اسے کیسے کتاب ہدایت قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور اگر یہ خدائی نظام ربوبیت دور نبوی اور دور خلفائے راشدینؓ میں قائم نہیں ہوا تھا تو پھر بھی قرآن کا نزول (معاذ اللہ) عبث اور بے مقصد ہوا، کیوں کہ بہ قول پرویز قرآن کا اصل مقصود ومنتہیٰ ہی خدائی نظام ربوبیت کا قیام ہے۔ جب اس مقصود ومنتہیٰ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ بھی حاصل نہ کر سکے تو بعد کے (مفروضہ) مراکز ملت سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے؟ یہاں یہ یاد رہے کہ ایمان بالغیب کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کتابوں، فرشتوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر بن دیکھے یقین رکھا جائے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آخرت کے مناظر جنت وجہنم وغیرہ کو خود نہیں دیکھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر ان سب باتوں پر یقین کر لیا۔ ہم نے گزشتہ پیغمبروں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کو ان کی اصل حالت میں نہیں دیکھا لیکن آپ کے بتانے پر ہم نے دل سے مان لیا اور زبان سے تصدیق کی۔ اس معنیٰ میں قرآن قیامت تک کے لئے متقین کے لیے کتاب ہدایت ہے جب کہ پرویزی مفہوم کے مطابق جب اسی دنیا میں منکرین حدیث کا مفروضہ مرکز ملت تشریف لائے گا اور خدائی نظام ربوبیت قائم کرے گا تو اس مفروضہ نظام ربوبیت کے نتائج اَن دیکھے نہیں رہیں گے لہٰذا قرآن بھی (معاذ اللہ) کتاب ہدایت نہیں رہے گا، کیوں کہ یہ ان متقین کے لئے کتاب ہدایت ہے جو ایمان بالغیب رکھتے ہوں۔ زمانہ ماضی میں بھی اگر اس طرح کا کوئی نظام ربوبیت قائم ہوا تھا تو لوگوں کے لئے قرآن کتاب ہدایت نہیں رہا تھا۔ اگر قائم نہیں ہوا تھا تو بھی قرآن کا (معاذ اللہ) کوئی فائدہ لوگوں کو نہ ہوا کیوں کہ جب پرویزی فکر کے مطابق قرآن کا مقصود ومنتہیٰ ہی خدائی نظام ربوبیت کا قیام ہے اور یہ نظام نہ پہلے کبھی قائم ہوا اور ورنہ ہی مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے تو قرآن کا ہونا یا نہ ہونا لوگوں کے لئے برابر ہوا۔

۱۰۔ جب پرویزی افکار ونظریات کی رو سے قرآن کریم (معاذ اللہ) ایک بے کار کتاب ثابت ہوتا ہے تو بھلا اس کی تلاوت کا کسی کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے چناں چہ اس کی تلاوت سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے خاصی چرب زبانی سے کام لیتے ہوئے پرویز صاحب نے لکھا ہے ''قرآن ایک کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئے۔ کہئے اس کے الفاظ دہرا دینے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا؟ نیز قرآن بار بار غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ کیا قرآن کا یہ مقصود بلا سوچے سمجھے پڑھنے سے حاصل ہو سکتا ہے؟ آپ کسی مصنف سے یہ کہئے کہ میں تمہاری کتاب کے ایک لفظ کو بھی نہیں سمجھتا لیکن اس کے باوجود ہر روز اسے پڑھتا ہوں حتیٰ کہ مجھے وہ زبان بھی نہیں آتی جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تم نے یہ کتاب لکھی ہے اس کے باوجود اس کے الفاظ کو دہراتا رہتا ہوں، آپ خود ہی سوچئے کہ وہ مصنف آپ کو کیا جواب دے گا؟ یہ عقیدہ دراصل مسلمانوں کو قرآن سے الگ رکھنے کے لئے تراشا گیا تھا جو عجمی سازش کا نتیجہ ہے اور یہ عقیدہ یکسر غیر قرآنی ہے'' (۵۹/ج) ممکن ہے پرویز صاحب کی مذکورہ عبارت سے قارئین کرام نے یہ سمجھ لیا ہو کہ قرآن کی تلاوت سے پہلے ہر مسلمان کو عربی زبان سے باخبر ہونا چاہئے تو یہ غلط فہمی بھی پوری طرح دور ہو جانی چاہئے۔ کوئی اور نہیں بل کہ یہی پرویز صاحب ارشاد فرماتے ہیں ''......جن حضرات نے عربی ترجمے کیے ہیں وہ تو عربی جانتے تھے۔ اگر عربی جاننے سے صحیح قرآن سمجھ میں آجاتا تو ان کے ترجموں سے بھی قرآن سمجھ میں آجانا چاہئے تھا۔ تمام تر نہیں تو قریب قریب آج مسلمانان عالم کا بیشتر حصہ ایسا ہے، جس کی مادری زبان عربی ہے ان کے لئے صحیح قرآن سمجھنے میں تو کوئی دشواری نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ بھی قریب قریب اسی قسم کا قرآن سمجھتے ہیں جس قسم کا قرآن ہمارے ہاں ترجموں سے سمجھا جاتا ہے۔ آپ عرب ممالک (یعنی عربی بولنے والے مصنفین) کی مذہبی کتابیں اٹھا کر دیکھئے، جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، ان میں اور اپنے ہاں کی مذہبی کتابوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ مجھے ایک عرب ادیب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ادب کا امام، زبان پر اس قدر عبور کہ ایک ایک لفظ کی بیسیوں سندات مستحضر، ایسا نظر آتا تھا کہ اسے بڑے بڑے عربی لغت کے شعراء کے دواوین اور کتب محاضرات حفظ یاد ہیں۔ مرادفات کے معنیٰ میں ایسا لطیف فرق بتاتا تھا کہ سن کر لطف آجاتا تھا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہتی جب میں دیکھتا کہ جونہی قرآن کی کوئی آیت سامنے آتی تو وہ وہی مفہوم بیان کرتا جو ہمارے مکتبوں میں پڑھایا جاتا ہے اور جس میں قرآن نام کو نہیں ہوتا'' (۶۰/الف) پرویز صاحب کی مذکورہ عبارت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ لوگ خواہ عربی زبان سے باخبر ہو کر بھی صدیوں سے اس کی تلاوت کرتے چلے آرہے ہوں تو بھی پرویزی فکر کے مطابق یہ سب کچھ بے کار اور سعی لاحاصل ہے۔ قرآن کے اردو تراجم اور تفاسیر کو تو ایک طرف رکھیں عربی میں لکھی گئی تفاسیر میں بھی قرآن نام کو نہیں ہوتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ قرنِ اول کے بعد بہ قول پرویز سب سے پہلے قرآن صرف انھوں نے ہی سمجھا ہے اور ان پر ہی سب سے پہلے یہ انکشاف ہوا ہے کہ قرآن کی ساری تعلیم کا منتھیٰ ومقصود قانونِ ربوبیت کے مطابق معاشرے کا قیام ہے، پورا قرآن ان تفاصیل سے بھرا پڑا ہے''۔ (۶۰/ب) چوں کہ قرآن کا یہ صحیح مفہوم ومقصد صرف جناب پرویز کی سمجھ میں ہی آیا ہے لہٰذا سب سے پہلے انھوں نے ہی اسے لوگوں کے سامنے پیش فرمایا ہے اور اسلام کی تاریخ میں لوگوں کے سامنے اسے پیش کرنے کی سب سے پہلی کوشش ان ہی کی ہے۔ (۶۰/ج) جناب پرویز اور ان کے استاد محترم محمد اسلم جیراجپوری کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'قرآن فہمی' سے ہی ''مرکز ملت'' اور ''قرآنی نظام ربوبیت'' کے ایسے تصورات نے جنم لیا ہے جن کی رو سے قرآن (معاذ اللہ) نہ تو کتابِ ہدایت رہتا ہے اور نہ ہی کتابِ تلاوت قرار پاتا ہے جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے۔

۱۱۔ اوپر ہم معلوم کر چکے ہیں کہ پرویزی افکار کی رو سے قرآن کریم کو کسی بھی زمانے اور کسی بھی دور کے لئے نہ تو کتاب ہدایت قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے کتابِ تلاوت کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے تمام مفسرین قرآن کے متعلق بلا امتیاز یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ ان کی تفاسیر میں ''قرآن نام کو نہیں ہوتا''۔

مکافاتِ عمل دیکھئے کہ خود پرویز صاحب کے قلم سے برآمد ہونے والے ناقابل انکار نتائج وثمرات نے قرآن کو (معاذ اللہ) ایک بے کار کتاب قرار دے ڈالا، لہٰذا ان کی تفسیر معارف القرآن ہو یا دوسری کتب ہوں ان میں واقعی ''قرآن نام کو نہیں ہوتا''۔ غلام احمد پرویز کے ہم نام متنبی قادیان مرزا غلام احمد کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ سینکڑوں برس سے آسمان پر زندہ موجود ہیں ایسا شرکِ عظیم ہے جو نیکیوں کو کھا جاتا ہے اور خلاف عقل بھی ہے (۶۱/ الف) متنبی قادیان کا یہ خیال تھا کہ تیرہ صدیوں تک امت اس ''حقیقت کبریٰ'' سے بے خبر رہی ہے اور اس کا علم چودہویں صدی ہجری میں صرف مجھے ہوا ہے۔ بعینہ اسی طرح غلام احمد پرویز کا دعویٰ تھا کہ قرآن کا اصل منتہیٰ ومقصود خدائی نظام ربوبیت (اشتراکی نظام معیشت) کا معاشرے میں قیام تھا اور اسلام کی تاریخ میں تیرہ صدیوں تک امت اسے سمجھنے سے قاصر رہی اور اسے ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے اور اس حقیقت کبریٰ، کو پا لینے کی چودہویں صدی ہجری میں سعادت صرف مجھے ہی حاصل ہوئی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا خیال تھا کہ وہ مسیح موعود ہیں اور ان کے زمانے میں ساری دنیا ان کی دعوت قبول کرے گی اور تمام اقوام عالم کا ایک ہی دین ہوگا۔ (۶۱/ب) بعینہ اسی طرح کی زبردست خوش فہمی غلام احمد پرویز کو بھی تھی کہ چوں کہ انھوں نے یہود و نصاریٰ اور دہریوں کے افکار ونظریات کو قرآن کے بطن سے ڈھونڈ نکالا ہے، اس لئے غیر مسلم دنیا ان کی قرآنی فکر کی ضرور بالضرور گرویدہ ہو جائے گی۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں'' مجھے مغربی اقوام کی سرزمین قرآنی پیغام کے لئے زیادہ سازگار معلوم ہوتی ہے کیوں کہ وہاں ''عقل'' ہے۔ ملّا زم کی جہالت اور تنگ نظری نہیں ہے...... میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جو کچھ ہزار برس سے ہوتا چلا آرہا ہے اسے کس طرح چھوڑ دیا جائے'' (۶۱/ج) پرویز کی قرآن فہمی کا حال تو کچھ اوپر مذکور ہو چکا۔ رہی 'ملّا ازم کی جہالت'' تو اس پر نرم سے نرم الفاظ میں ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ جناب پرویز کی طرح دنیا کا ہر بڑے سے بڑا احمق اپنے آپ کو عقل مند ہی سمجھتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱۔ مذکورہ مباحث سے یہ حقیقت پوری طرح الم نشرح ہو جاتی ہے کہ پرویزی لٹریچر میں اگر قرآنی نظام، خدا کا نظام ربوبیت' خدا کا قانون ربوبیت، قرآنی نظام ربوبیت وغیرہ وغیرہ کلمات بہ کثرت ملتے ہیں تو ان میں ''قرآن اور خدا'' کے کلمات محض ''تبرکاً'' لائے جاتے ہیں ورنہ قرآن اور خدا سے ان کا دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مرزا غلام احمد قادیانی بھی بسا اوقات اسی طرح کے کلمات محض ''تبرکاً'' استعمال فرمایا کرتے تھے، مثلاً انھوں نے برطانوی ملکہ وکٹوریہ کے نام اپنی غلامانہ معروضات میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا ''......خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے......'' (۶۲/ الف) بلکہ وکٹوریہ مذہباً عیسائی خاتون تھی۔ شاید اسے غسلِ جنابت کی بھی کبھی توفیق نہ ہوئی ہو۔ وہ مرزا قادیانی پر کبھی ایمان نہیں لائی تھی لہٰذا قادیانی شریعت کی رو سے بھی وہ کافر خاتون تھی۔ خدا کفار کی ''پاک'' نیتوں کی تحریک سے کسی کو نبی نہیں بناتا۔ مرزا صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت میں ''خدا'' کا لفظ محض ''تبرکاً'' ڈالا تھا۔ ورنہ مرزا صاحب خدا کی طرف سے نہیں بل کہ شیطان کی طرف سے مبعوث تھے۔ بعینہٖ اسی طرح ان کے ہم نام مسٹر غلام احمد پرویز نے قرآنی آیات کی اگر ایسی تعبیر وتشریح فرمائی ہے، جس سے قرآن نہ ہی کتاب ہدایت اور نہ ہی کتاب تلاوت قرار پائے تو ایسی تعبیر وتشریح بھی بدترین دجل وفریب اور تلبیسِ ابلیس ہے۔

فاعتبروا اولی الانصار!!!

۶۔ اطاعت رسول

الف۔ اطاعتِ رسول کی ضرورت واہمیت

۱۔ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مستقل اور غیر مشروط اطاعت اس لئے ہے کہ آپ دین کے بارے میں جو کچھ بھی کرتے اور فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحیِ حقیقی یا حکمی کی بنا پر کرتے اور فرماتے ہیں۔ اور آپ معصوم عن الخطا ہیں۔ کیوں کہ جن امور میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت مطلوب ہے ان کا علم وحی کے بغیر ممکن نہیں اور امورِ وحی صرف اللہ کا رسول ہوتا ہے۔ یہ اطاعت کیسے کی جائے اس کا عملی طریقہ اللہ کا رسول وحی پر مبنی اپنے اسوۂ حسنہ سے متعین فرماتا ہے۔ پس رسول پر ایمان اور اس کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ہرگز اس طرح کا مضمون نہیں ملے گا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی بل کہ مضمون یہ ہے: مَنۡ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۶۲/ب) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ دین کے جو احکام قرآن کریم میں صراحتاً موجود ہیں اور ان میں کسی تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات میں لاشریک سمجھنا، رسولوں، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول اور نبی سمجھنا، عبادات نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو فرض سمجھنا، شرک کو اکبر الکبائر سمجھنا اور اس سے بچنا، رسول کی نافرمانی کو حرام اور گناہ سمجھنا وغیرہ اللہ کے ایسے احکام ہیں جو بہ آسانی سمجھ میں آتے ہیں انہیں قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا بلا واسطہ اور بہ راہ راست اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جو اطیعو اللہ (اللہ کی اطاعت کرو) کا مفہوم و مدلول ہے۔ دین و شریعت کے جو امور قرآن کریم میں اجمالاً مذکور ہیں، ان کی جو قولی و فعلی شرح و تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اسی کے مطابق چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بالواسطہ اللہ کی اطاعت ہے۔ اور جو اوامر و نواہی قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں بل کہ رسول اللہ کے اقوال و افعال سے معلوم ہوئے، ان کے مطابق چلنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ یعنی حقیقی مُطاع اللہ تعالیٰ ہی ہے اور رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت اس معنیٰ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح دین کے متعلق جو کچھ فرمایا اور کیا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، پس یہ اطیعوا الرسول (رسول کی اطاعت کرو) کا مفہوم و مدلول ہے۔ چوں کہ اس طرح کے امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نیز ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۶۲/ج) ''اور ہم نے جو کوئی بھی رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی بہ راہ راست اطاعت غیر مشروط ہے، اسی طرح اللہ کے رسول کی اطاعت بھی اللہ کے حکم سے اللہ ہی کی بالواسطہ غیر مشروط اطاعت ہے، کیوں کہ رسول مورِدِ وحی ہونے کی بنا پر معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ دین میں اس کے اوامر و نواہی وحی پر مبنی ہونے کی وجہ سے خطا سے محفوظ و مامون ہوتے ہیں۔ رسول کے بعد مخلوق کی اطاعت غیر مشروط نہیں ہوسکتی بل کہ یہ ہمیشہ مشروط اطاعت ہوگی۔ مخلوق کی اطاعت صرف تب ہی درست ہوسکتی ہے کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔

۲۔ سورۃ النساء میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب اختیار (علما و حکام) ہیں ان کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو''۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ اصل اطاعت اللہ ہی کی ہے اور رسول چوں کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کا مورد اور اس کی مرضیات کا نمائندہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب التسلیم قرار دیا ہے۔ گو بہ ظاہر یہ دو اطاعتیں ہیں لیکن حقیقی مُطاع اللہ ہی ہے۔ علما اور حکام (اولوا الامر) کی اطاعت کا بھی حکم ہے لیکن یہ مستقل اور غیر مشروط اطاعت نہیں بل کہ یہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع اور اس کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی لئے ''اطیعوا اللہ'' کے بعد ''اطیعوا الرسول'' تو کہا کیوں کہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل اور غیر مشروط ہیں لیکن ''اطیعوا اولی الامر'' نہیں کہا کیوں کہ اولوا الامر کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط نہیں۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (۶۳/ب) صحیح مسلم میں ہے: لا طاعة فی معصية الله (۶۳/ج) صحیح بخاری میں ہے ''انما الطاعة فی المعروف (۶۴/الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطلب ہے کہ مخلوق کی اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہو سکتی ہے ان کاموں میں نہیں ہو سکتی جن سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ پس اگر اولوا الامر (علما اور حکام) کا کوئی حکم قرآن و سنت کے خلاف ہو تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ ہر رسول امام ہدایت ہے لیکن ہر امام ہدایت کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ رسول اور نبی کی اطاعت غیر مشروط ہے، کیوں کہ وہ ایسا امام ہدایت ہے جس کے دین کے بارے میں تمام اوامر و نواہی وحی حقیقی یا حکمی پر مبنی ہوتے ہیں۔ کسی معاملے میں وہ کبھی اپنے قیاس اور اجتہاد و استنباط سے کام لے اور بہ تقاضائے بشریت شاذ و نادر صورتوں میں اس سے خطائے اجتہادی صادر ہو تو اسے ہرگز اس خطا پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا بل کہ لازماً اطلاع اور صلاح کر دی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر رسول اور نبی کی امامت و حاکمیت کی حیثیت اس کی رسالت و نبوت سے ہرگز علیحدہ نہیں ہوتی۔ وہ ایسا حاکم نہیں ہوتا جسے لوگوں نے منتخب کیا ہو یا اس نے زبردستی حکومت و اقتدار پر قبضہ کر لیا ہو یا اسے یہ منصب وراثت میں ملا ہو۔ رسول ایسا امام و حاکم ہے جسے اللہ تعالیٰ چنتا ہے۔ کوئی اسے معزول نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس دیگر حکام خواہ وہ ماتحت حکام ہوں یا وہ حاکم اعلیٰ ہو تو بہ قدر استطاعت حسب ضرورت و موقع لوگ اسے اس کے منصب سے علیحدہ کرنے اور معزول کرنے کے مجاز و مختار ہوتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد (منصوص من اللہ) نہیں ہوتا اور رسول کی حیثیت مطاع کی ہوتی ہے کہ وہ مفترض الطاعۃ ہو یعنی ہر حال میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اطاعت کے لوگ پابند ہوں۔ کیوں کہ وہ معصوم عن الخطا نہیں ہوتا کہ اس کے کسی بھی حکم سے لوگوں کو اختلاف کی اجازت نہ ہو اور اس کا ہر حکم لازماً خطا سے مُبرّا ہو۔ اس لئے رسول اور نبی کو عام حکام یا کسی حاکم اعلیٰ یا (بہ قول منکرینِ حدیث) مرکزِ ملت کی حیثیت میں لے آنا بدترین توہینِ رسالت و نبوت ہے۔ رسول اور نبی کے کسی بھی حکم کی مخالفت بہت بڑا جرم ہے لیکن عام حاکم اعلیٰ اور اس کے ماتحت حکام کی مخالفت فرض اور واجب ہے جب کہ ان کا کوئی حکم لوگوں کو خلافِ شریعت نظر آئے۔

۴۔ اگر کسی حاکم اعلیٰ یا اس کے ماتحت حکام کے کسی حکم کے متعلق یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کا حکم ہے۔ اولوا الامر سے ایسے کسی اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے قرآن و سنت پر لوٹایا جائے۔ اسی لئے سورۂ النساء کی مذکورہ بالا آیت میں جو اوپر نکتہ نمبر ۲ میں پیش کی گئی ہے اولوا الامر کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت سے بالکل الگ رکھا گیا ہے۔ جو حاکم اعلیٰ رسول اور نبی نہیں تو اس کے یا اس کے ماتحت حاکم کے کسی حکم کے متعلق یہ تنازع کھڑا ہو جائے کہ یہ حکم خلافِ شریعت ہے تو اس کا فیصلہ قرآن و سنت کے ماہرین ہی کریں گے۔ دیگر ذرائع کے علاوہ اس مقصد کے لئے ریاستی اور نجی سطح پر علما کی مجالس (کمیٹیاں) تشکیل دی جا سکتی ہیں جن کی حیثیت شرعی عدالتوں کی ہوگی۔ یہ عدالتیں انتظامیہ (امراء و حکام) کے غلط اور خلافِ شریعت احکام اور فیصلوں کو کالعدم قرار دیں گی۔ یہاں منکرین حدیث کے امام غلام احمد پرویز کا استہزائیہ انداز میں یہ بیان محض جھوٹ اور خالص فریب ہے کہ امرا اور حکام سے اختلاف کا یہ حل نہیں کہ علما ان حکام کو مناظرے کی دعوت دیں اور قرآن و سنت کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کرنے پہنچ جائیں۔ اگر عدالتوں میں وکلاء قانون کی کتابیں بغل میں داب کر جا سکتے ہیں تو شرعی عدالتوں میں متعلقہ علما اور ماہرین شریعت کے لئے ایسا کرنا کیوں ممنوع ہے؟ تاہم بہ وقتِ ضرورت ایسی علمی بحث شرعی عدالتوں میں ہوگی نہ کہ کسی حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) کا فیصلہ حرفِ آخر ہوگا، وہ تو خود فریق مقدمہ ہوگا۔ سخت حیرت ہے کہ منکرین حدیث اتنی موٹی سی بات کو بھی سمجھنے سے کیوں قاصر ہیں کہ عوام اور حُکّام کے اختلافی امور میں مرکزی حکومت کا نہیں بل کہ صحیح ماہرین شریعت پر مشتمل شرعی عدلیہ کا فیصلہ ہی قابل قبول ہو سکتا ہے۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ ادارے کی مستقل حیثیت دی جانی چاہئے، یہی عقل سلیم کا فیصلہ اور مہذب و متمدن معاشروں کا وتیرہ ہے۔ چوں کہ منکرین حدیث اسلام کے پردے میں اشتراکی نظام حکومت و معیشت کے قائل ہیں اور اشتراکی ممالک میں عدالتوں کی حیثیت محض نمائشی ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے (مفروضہ و مجوزہ) مرکز ملت کو اللہ اور رسول کی حیثیت دے کر اس کے فیصلوں کو حرفِ آخر قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینے پر ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

۵۔ پس اختلافی امور میں مرجعِ نزاع صرف قرآن ہی نہیں سنت رسول بھی ہے ورنہ سورہ نسا کی متعلقہ آیت میں ''فردوہ الی اللہ'' کہنا ہی کافی ہوتا۔ اللہ اور رسول کے بعد کسی کو بھی مرجع نزاع ہونے کی مستقل حیثیت ہرگز حاصل نہیں۔ خلفائے راشدین بل کہ بعد کے خلفا اور ائمہ مجتہدین کو بھی متنازع امور میں اپنی بات منوانے کے لئے قرآن وسنت کو پیش کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ایسی کوئی مثال ہرگز نہیں ملے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم یا آپ کی کسی بات پر صحابہ کرامؓ نے دلیل کا مطالبہ کیا ہو۔ سورۃ النساء میں قرآن وسنت دونوں کی اہمیت یوں ظاہر کی گئی ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (۶۴/ب) ''اور جب ان سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو تو منافقوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے کنی کتراتے ہیں''۔ اللہ اور رسول ہم معنیٰ الفاظ نہیں ہیں کہ ان سے صرف اللہ یا صرف رسول مراد لیا جائے اس لئے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول میں واؤ کو تفسیری قرار دینا قطعاً غلط ہے۔ اگر اللہ اور رسول دونوں ہم معنیٰ ہیں تو مثلاً اس آیت پر غور کیجیے: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ج (۶۴/ج) ''بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا، تا آخر مضمون''۔ اگر یہاں رسول سے مراد اللہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ بے شک اللہ نے اللہ کو سچا خواب دکھایا'' اس کا مہمل ہونا واضح ہے۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، کا یہ مطلب نہیں کہ رسول (معاذ اللہ) اللہ ہے۔ لسانی محاورات کے مطابق صحیح مطلب واضح ہے کہ رسول کی اطاعت چوں کہ اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے لہٰذا یہ دراصل اللہ ہی کی بالواسطہ اطاعت ہے۔ سورۃ مزمل میں ہے: وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ط (۶۰/الف) ''اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو''۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس مستحق فقیر ومسکین کی صدقات وخیرات سے ہم مالی مدد کریں وہ (معاذ اللہ) اللہ ہے یا اللہ ہو جائے گا۔ یہاں بھی لسانی محاورات کے مطابق مطلب واضح ہے کہ ایسے کسی مستحق کی مدد چوں کہ اللہ کے حکم کی اطاعت میں ہم کرتے ہیں اس لئے اس پر ہم جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کا صلہ ہمیں اللہ کی طرف سے ملے گا۔

۶۔ سورۃ النسا میں جو اللہ، رسول کی غیر مشروط اور اولوا الامر کی مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے شریعت کے مآخذِ اربعہ کا بھی ہمیں علم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی اطاعت سے قرآن پر عمل کرنا اور رسول کی اطاعت سے سنت رسول پر عمل کرنا مراد ہے۔ اولوا الامر سے حکام بھی مراد ہیں اور علما بھی۔ حکام کی اطاعت انتظامی وتدبیری امور میں ہوگی اور علما کی اطاعت دینی امور میں ہوگی۔ چوں کہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاست کے حکام ریاست میں نفاذِ شریعت کے بھی پابند ہیں، لہٰذا اگر وہ خود عالم نہیں تو اس مقصد کے لیے وہ علما سے رہنمائی حاصل کرنے کے پابند ہیں، لہٰذا دینی امور میں بھی حکام کی اطاعت بالواسطہ علما ہی کی اطاعت ہے۔ کسی دینی امر پر علما کا متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔ پس اولوا الامر کی اطاعت میں اجماعِ علما کو قبول کرنے کی تعلیم ہمیں حاصل ہوئی۔ اگر کسی نئے پیش آمدہ مسئلے میں جو قرآن وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں اور اس میں اہل علم میں اختلاف پیدا ہو تو اس صورت میں استنباط واجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے اہل علم قرآن وسنت میں غور کرکے اس مسئلے کا حل معلوم کریں گے۔ مثلاً گائے کے گوشت اور دودھ کے حلال ہونے کا علم ہمیں قرآن وسنت سے ہوگیا تو بھینس کو بھی اہل علم نے گائے پر قیاس کرتے ہوئے اس کے گوشت اور دودھ کے حلال ہونے کا حکم لوگوں کو بتادیا۔ اسے قیاسِ شرعی سے مسائل معلوم کرنے کا نام دیا جاتا ہے۔ قیاسِ شرعی سے مسائل بنائے نہیں جاتے بل کہ قرآن وسنت میں غور کرکے معلوم کیے جاتے اور لوگوں کو بتائے جاتے ہیں۔ پس سورۃ النسا کی متعلقہ آیت سے ہمیں شریعت کے چاروں مآخذ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ انہیں عِلَل اربعہ بھی کہا جاتا ہے۔

۷۔ سورۃ مائدہ میں ہے: وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ O (۶۵/ ب) ''اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور احتیاط رکھو۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو خوب جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے''۔ سورۃ نور میں ہے: قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَہْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۶۵/ ج) ''(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمے تو وہی ہے جو (ا۔ اسے دیا گیا اور تمہارے ذمہ وہی ہے جس کے تم پابند کیے گئے اور اگر تم اس کی) اطاعت کرو تب ہی ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے''۔ اس آیت میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت ہو یا رسول کی ہو دونوں طرح کی اطاعت کا اولیں نمونہ صرف اور صرف رسول ہی کی ذات مبارکہ ہے اور رسول کی اطاعت کرنے والا ہی ہدایت یافتہ ہے اور یہ جو بار بار کہا جارہا ہے کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام وارشادات اور پیغامات کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے تو اس کا تعلق صرف منکرین، منافقین اور معاندین سے ہے ورنہ ایمان والوں کے لئے آپ صرف مُبلّغ وحی (۲۔ ہی نہیں تھے بل کہ ان کے لئے آپ معلّم کتاب وحکمت مزکی اخلاق بھی تھے اور یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ) وحی کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے (معاذ اللہ) رسول کی نہیں بل کہ صرف حاکم اعلیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مرکزملت) کی ضرورت ہے۔ پورے قرآن میں لوگوں کو رسول کی اطاعت کا جو بار بار تاکیدی حکم دیا گیا ہے تو کہیں بھی اسے اطاعتِ امام یا اطاعتِ مرکز ملت کا نام نہیں دیا گیا۔ عام حُکّام بہ شمول حاکم اعلیٰ کی اطاعت تو اولوا الامر کی مشروط اطاعت میں داخل ہے۔ پیغمبر کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط اطاعت ہے۔ سورۂ تغابن میں ہے: وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (۶۶/الف) ''اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم منہ پھیرو تو ہمارے رسول کے ذمے تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے''۔ سورۂ محمد میں ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ○ (۶۶/ب) ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو''۔ ان آیات میں غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ ان میں لوگوں کے لئے کلمہ ''اطیعوا'' کو اللہ اور رسول دونوں کے لئے الگ الگ لایا گیا ہے، تاکہ رسول کی اطاعت کی بھی مستقل حیثیت خوب نمایاں ہو سکے۔ کیوں کہ قرآن کریم کے مجمل احکام اور مضامین کی تشریح و توضیح جو قرآن میں موجود نہیں بل کہ آپؐ نے اپنی سنتِ مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے لوگوں پر ظاہر فرمائی ہے اور قرآن پر زائد جو دینی احکام اور مسائل آپ نے لوگوں پر اپنے اقوال و افعال سے واضح فرمائے ہیں ان میں آپ کی اطاعت غیر مشروط اور مستقل ہے کیوں کہ آپ کے ایسے احکام و مضامین وحی غیر قرآنی پر مبنی ہیں۔ دوسرے حکام اور امراء کو یہ حیثیت ہرگز حاصل نہیں۔ چوں کہ اللہ کی اطاعت بھی رسول کی اطاعت اور رسول کو نمونۂ عمل سمجھے بغیر ممکن ہی نہیں اس لئے قرآن میں کئی ایک مقامات پر صرف اطاعتِ رسول کا بھی ذکر ہے، کیوں کہ رسول کی اطاعت میں ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ چناں چہ مثلاً سورۂ نور میں ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (۶۶/ج) ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔ یعنی نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور دیگر تمام احکام شرعیہ پر عمل کی ظاہری صورت صرف یہی ہے کہ تم رسول کی اطاعت کرو۔ اور اسی سورۂ نور میں ہے: وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۶۷/الف) ''اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو تم ہدایت پاؤ گے''۔ انبیائے سابقین مثلاً حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اپنی اطاعت کا یوں حکم دیا تھا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ (۶۷/ب) ''سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ب: معصیتِ رسول پر وعیدی مضامین

قرآن کریم میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کا حکم بار ہا اور مختلف پیرایوں میں دیا گیا ہے، اسی طرح آپ کی نافرمانی کے خطرناک عواقب سے بھی لوگوں کو بار بار متنبہ کیا گیا ہے۔ سورۂ انسا میں ہے: فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (۲۷/ج) ''سو تیرے رب کی قسم! یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ (اے پیغمبر!) وہ تجھے اپنے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات میں فیصل تسلیم نہیں کرتے۔ پھر جو تو فیصلہ کرے اس پر وہ اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں اور تیرے فیصلوں کو پوری طرح تسلیم نہ کرلیں''۔ یعنی آپ ایسے قاضی اور حَکَم ہیں جن کے کسی حکم اور کسی فیصلے کے خلاف کوئی مرافعہ یعنی اپیل نہیں ہو سکتی۔ آپ کے ہر فیصلے کو غیر مشروط طور پر اور اپنی پوری پوری رضا اور رغبت سے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں کہلا سکتا۔ اور اسی سورۂ النسا میں ارشاد ہے: يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ (۶۸/الف) ''اس دن (یعنی بروز قیامت) وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی یہ آرزو کریں گے کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ ہی ہموار کر دیا جاتا (اور انہیں دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا)''۔ سورہ شعرا میں ہے: فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (۲۸/ب) ''پھر اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو (اے پیغمبر!) تو ان سے کہہ دے کہ میں تمہارے ان کاموں سے بےزار ہوں جو تم کر رہے ہو''۔ سورہ النساء میں ہے: وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (۶۸/ج) ''اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی اور مومنین کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ کی اتباع کرے تو ہم اس کو اسی راہ پر ڈال دیں گے جس پر وہ خود مڑ گیا اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے''۔ سورۂ نور میں ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۶۹/الف) ''تو جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی فتنہ یا دردناک عذاب نہ آن پڑے''۔ سورۂ فرقان میں ہے: وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ (۶۹/ب) اور جس دن (یعنی بروز قیامت) ظالم اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹے گا اور (نہایت حسرت اور افسوس سے) کہے گا کہ اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ (سیدھی) راہ اختیار کی ہوتی''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۂ مجادلہ میں ہے: تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُولِ (۶۹/ج) ''(اے مسلمانو!) سوتم کسی گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشیاں نہ کیا کرو''۔ انبیائے سابقین علیہم السلام کی نافرمانی کرنے والوں کے متعلق سورہ حاقہ میں ہے: فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ○ (۷۰/الف) تو انھوں نے (قومِ عاد، قومِ ثمود، فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں نے) اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اس نے انہیں اپنی سخت گرفت میں لے لیا''۔ سورۂ مزمل میں ہے: فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَهُ أَخْذًا وَبِيلًا ○ (۷۰/ب)۔ ''تو فرعون نے رسول (موسیٰ علیہ السلام) کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے وبال والی گرفت میں لے لیا''۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے، اسی طرح رسول کی نافرمانی میں اللہ کی بھی نافرمانی ہے۔ اگر اللہ کے رسول کا قول وفعل یعنی سنتِ رسول لوگوں پر حجت ہی نہ ہوتو ان کی امتوں کو ان کی اطاعت کا حکم دینا اور اس کی نافرمانی پر سنگین عذاب کی وعید سنا ناقطعاً بے کار ہے اور اللہ کا کلام ہر عیب سے پاک ہے۔ چناں چہ سورۂ نسا میں ہے: رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ (۷۰/ج) ''ہم نے رسولوں کو خوش خبریاں سنانے والے اور (نافرمانوں کو برے انجام سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے، تا کہ رسولوں (کے بھیجے جانے) کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اور الزام اللہ پر نہ رہ جائے اور اللہ بڑا غالب اور صاحب حکمت ہے''۔ سورۂ احزاب میں ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ○ (۷۱/الف) ''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گم راہی میں جا پڑے گا''۔ اور اسی سورہ احزاب میں ہے: النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (۷۱/ب) ''نبی مومنوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حیثیت اور مرتبہ ہرگز کسی اور حاکم اعلیٰ کو حاصل نہیں ہے۔ اسی سورہ احزاب میں ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ○ (۷۱/ج) ''بے شک تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بہ کثرت اللہ کو یاد کرتا ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لئے عمدہ نمونۂ عمل موجود ہے، خواہ ان کا تعلق عقائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبادات سے ہو یا معاشرت ومعیشت یا اخلاق وسیاست سے ہو۔ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات اور آپ کے اوامرونواہی حجت (واجب التسلیم) ہیں اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع تا قیامت تمام ادوار کے تمام مسلمانوں کے لئے مطلوب ومقصود ہے، کیوں کہ ہر دور کا ہر مسلمان اللہ اور آخرت کی توقع رکھتا ہے اور اللہ کو بہ کثرت یاد کرنے کا مکلف و پابند ہے۔ عبادات میں وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تاکہ عبادت میں حسن پیدا ہو۔ معاملات، معاشرت واخلاق میں وہ اللہ کو یاد کرتا ہے، تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو اور اللہ کا ڈر اسے عدل واحسان کی طرف مائل اور راغب کرے۔ سورۂ حجرات میں ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O (۲/۷ الف) ''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو (اور اس کے سامنے یوں اونچا نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہرگز کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی یہ مقام ومرتبہ حاصل نہیں کہ ان کے سامنے اونچا بولنے سے کسی کے نیک اعمال کو اللہ تعالی برباد کردے۔ بلاشبہ صحابۂ کرامؓ اور ان کے بعد جملہ اکابرین کا ادب واحترام واجب ہے لیکن جس ادب و احترام کا لوگوں سے پیغمبر کے لئے مطالبہ کیا جاتا ہے اس میں دوسرے لوگ پیغمبر کے شریک اور ہم پلہ نہیں ہوتے۔ دوسروں کے واجب ادب واحترام کو ملحوظ نہ رکھنا گناہ کبیرہ تو ہوسکتا ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ اللہ ایسے شخص کے تمام نیک اعمال ہی کو برباد کر ڈالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر انبیا علیہم السلام کو امتیازی نوعیت کا انتہائی بلند مقام ومرتبہ حاصل ہے اور وہ امتیازی حیثیت میں انتہائی ادب و احترام کے مستحق ہوتے ہیں۔ اسی لئے دل وجان سے ان کی اطاعت میں سعادت ہے اور ان کی معصیت میں لوگوں کے لئے بدبختی اور شقاوت ہے۔ ان کے کسی فیصلے اور کسی حکم سے لوگوں کے لئے نہ تو اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ ہی انحراف کا کوئی جواز ہے کیوں کہ اللہ کا رسول اور نبی دین کے بارے میں جو کچھ بھی فرماتا اور کرتا ہے وہ اللہ کی طرف سے وحی پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کے فیصلے اور حکم کے خلاف کسی مرافعے (اپیل) کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برعکس خلفائے راشدینؓ کو بھی اپنے فیصلوں اور احکام کے لئے قرآن وسنت کا پابند ہونا پڑتا تھا اور لوگوں کے مطالبے پر وہ قرآن وسنت کا حوالہ دینے کے مکلف تھے۔ جب خلفائے راشدینؓ کا یہ حال ہے تو ان کے بعد کسی اور حاکم اعلیٰ کا فیصلہ حرفِ آخر کیسے ہوسکتا ہے۔ خلفائے راشدینؓ کو بعض اوقات اسلامی عدالت سے اپنے خلاف فیصلہ سننا اور قبول کرنا پڑا۔ اللہ کا رسول کسی عدالت میں پیش ہونے اور اس کے فیصلے کو قبول کرنے کا ہرگز پابند نہیں ہوا کرتا۔ اللہ کے رسول کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاکم اعلیٰ، قاضی شارح وشارع وغیرہ ہونا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حاصل ہوتا ہے۔ وہ دیگر حکام کی طرح لوگوں پر نہ تو ازخود یا موروثی طور پر مسلط ہوتا ہے اور نہ ہی لوگ اس کا انتخاب کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کی حیثیت کو حاکمیت کی حیثیت سے الگ کردینا اور آپ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) عام حکام اعلیٰ کی سطح پر لے آنا آپ کے منصب رسالت ونبوت کی سخت توہین ہے، جس کا ارتکاب منکرین حدیث کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔ سورۃ الاحزاب میں ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًاO (۲/۷/ب) ’’بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت ڈال دی ہے اور ان کے لئے اس نے نہایت ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے‘‘۔

اللہ کو ایذا دینے کا مطلب ان عقائد ونظریات کو اپنانا اور ان افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کرنا ہے جو اسے ناپسند ہیں ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے؟ اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچانا یہ ہے کہ آپ کی تکذیب کی جائے۔ آپؐ نے وحی پر مبنی اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے کتاب اللہ کی جو تشریح وتوضیح فرمائی ہے اسے قبول نہ کرنا اور آپ پر نازل ہونے والی غیر قرآنی وحی (وحیِ غیر کتاب) کا انکار کرنا، قرآن کریم کے مجمل احکام ومضامین کی تشریح وتوضیح اور قرآن پر زائد دینی مسائل اور جزئیات کے تعین کا اللہ تعالیٰ کا اور پھر وحی کے ذریعے اپنے اقوال وافعال سے انہیں لوگوں تک پہنچانے کا رسول اللہ کا حق دوسروں کو بھی سونپنا کہ وہ اپنی مرضی اور اپنی خواہش نفس سے قرآن کی تشریح کرسکتے ہیں اور دینی مسائل اور احکام کو متعین کرسکتے ہیں، بہ الفاظ دیگر اللہ اور رسول کے بعد دوسروں کو شارح اور شارع قرار دینا، اللہ اور اس کے رسول دونوں کی کھلی تکذیب ہے اور قرآن پر ایسے لوگوں کا ایمان کا دعویٰ سراسر فریبِ نفس ہے۔

ج: منکرین حدیث کے مغالطے

ا۔ منکرین حدیث یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے، پس رسول کی اطاعت کتاب اللہ (قرآن) کی اطاعت ہے۔ اس سے وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ کتاب اللہ کی اطاعت ہی اصل مقصود ہے اور اسی کو رسول کی اطاعت کہا گیا ہے۔ پس بقول ان کے حدیث حجت نہیں بل کہ کتاب اللہ (قرآن) ہی کافی ہے۔ ان کا یہ مغالطہ متعدد وجوہ کی بنا پر باطل اور مردود ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوّلاً کتاب اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے اوامر ونواھی پر عمل کرنے کو کتاب اللہ کی اطاعت نہیں بل کہ کتاب اللہ کی اتباع کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کہیں بھی اس طرح کا مضمون نہیں ملے گا کہ اس کتاب کی اطاعت کرو بل کہ یہ مضمون ملے گا کہ اس کتاب کی اتباع کرو، وحی کی اتباع کرو۔ مثلاً سورۂ انعام میں ہے: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فاتبعوہ (۲/۷/ج) ''اور یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے، بڑی بابرکت ہے، سو تم اس کی اتباع کرو''۔ اور مثلاً سورۂ اعراف میں ہے: اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۳/۷/الف) ''جو وحی (خواہ وحیِ کتاب ہو یا وحیِ غیر کتاب ہو) تمہاری طرف اتاری گئی ہے تو تم اس کی اتباع کرو''۔

ثانیاً اگر کتاب اللہ کی اطاعت سے منکرین حدیث کی مراد یہ ہے کہ اس میں موجود و مذکور اوامر ونواہی پر عمل کرو تو جب وہ خود یہ مانتے ہیں کہ رسول کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے تو انہیں لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کتاب اللہ کی اطاعت = رسول اللہ کی اطاعت ہے، کیوں کہ اگر الف = ب ہو تو لازماً ب = الف ہوگا''۔ پس جب منکرین حدیث کے اقرار واعتراف کے مطابق کتاب اللہ کی اطاعت = رسول اللہ کی اطاعت ہے تو اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ کتاب اللہ کی اطاعت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے اور یہ کہ کتاب اللہ کے اوامر ونواہی پر عمل اسی طرح کیا جائے گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعے اس کی تعلیم دی ہے۔ یعنی آپ اپنے قول وفعل سے جو حکم دیں گے یا جس کام سے منع فرمائیں گے اس کی تعمیل کے بغیر قرآن پر عمل کا دعویٰ جھوٹا ہوگا۔ آپ کے اقوال وافعال ہی کو تو سنت اور تحدیثِ سنت کو حدیث بیان کرنا کہا جاتا ہے، اس سے حدیث کے حجت ہونے کا ثبوت مل رہا ہے نہ کہ اس کی نفی ہو رہی ہے۔

ثالثاً کتاب اللہ کے مجمل اوامر ونواہی کی اطاعت تب ہی ممکن ہے جب کہ ان کی تشریح وتوضیح بھی اللہ یا اس کا رسول کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں فرمایا کہ قرآن کا بیان (تشریح وتوضیح) ہمارے ذمے ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (۳/۷/ب) جب اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ و بشارت یہ بیانِ قرآن اپنے رسول کو عطا فرمادیا تو آپ نے اپنے اقوال، افعال تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ سے اسے لوگوں پر واضح فرمادیا۔ اس سے سنت سے تمسک یعنی اسے مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نہ کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ جب متکلم (اللہ تعالیٰ) نے اپنے کلام (قرآن) کی قرآنی اور غیر قرآنی وحی سے خود تشریح فرمادی تو اس کے مقابلے میں کسی اور کی خود ساختہ، من پسند اور من گھڑت تشریح و توضیح خواہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی طور پر ہو، لازماً ملعون و مردود ہوگی اور ایسے لوگ بھی یقیناً ملعون و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مردود ہوں گے جو اس مشرکانہ فعل قبیح کے مرتکب ہوں گے۔ اور وہ بھی ملعون و مردود ہوں گے جو ایسے لوگوں کی تشریحات و توضیحات کو تو قبول کریں گے اور اللہ کے بیانِ قرآن کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے لوگوں پر واضح ہوا اسے جھٹلائیں گے۔ قرآن سارے کا سارا آپ کو وحی مَلَکی (فرشتے کے ذریعے وحی) سے حاصل ہوا۔ سورہ بقرہ میں وحی کے فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے متعلق ارشاد ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳/۷/ج) ''تو بے شک اس (جبرئیلؑ) نے اس (قرآن) کو (اے پیغمبر) تیرے دل پر اتارا ہے''۔ ادھر سورہ شوریٰ میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر پر وحی صرف فرشتے کے ذریعے ہی نہیں بل کہ فرشتہ بھیجے بغیر بھی نازل ہوتی ہے۔ (۴/۷/الف) پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ملکی اور وحی غیر ملکی دونوں طرح کی وحی سے سکھایا اور اللہ کا بیانِ قرآن ہی مقبول و معتبر ہو سکتا ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ سے لوگوں تک پہنچایا۔ اللہ کے قرآن کی طرح اللہ کا بیانِ قرآن بھی مستقل، ابدی اور دائمی ہے۔ اس میں تغیر و تبدل اور ترمیم و تنسیخ کا کسی مخلوق کو ہرگز کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

۲۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اطاعت صرف زندہ اشخاص کی ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اس دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حدیث (معاذ اللہ) حجت نہیں رہی۔ ان کا یہ مغالطہ بھی باطل اور مردود ہے:

اوّلاً کسی کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوامر و نواحی (احکام) پر عمل کیا جائے۔ یہاں عقلاً تین صورتیں ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ حکم دینے والے کے احکام صرف اس کی زندگی میں ہی مؤثر اور نافذ العمل ہوں۔ مثلاً کوئی شخص اپنے جوان بیٹوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ خورد و نوش، رہائش اور لباس کے سلسلے میں میری ضروریات پوری کرد تو ظاہر ہے اس کا یہ حکم اس کی زندگی تک ہی مؤثر اور نافذ (Operatinve) رہے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حکم دینے والے کا حکم اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی مؤثر ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنی جائیداد اپنے بیٹوں میں اپنی زندگی میں ہی اس شرط پر تقسیم کر دیتا ہے کہ اس کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ میری زندگی میں بھی اور میری موت کے بعد بھی رفاہِ عامہ کے کاموں پر صرف کیا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ حکم دینے والے کا حکم اس کی زندگی میں نہیں بل کہ اس کی موت کے بعد مؤثر اور نافذ العمل ہو۔ مثلاً کوئی شخص وصیت کرتا ہے کہ میری موت کے بعد میری جائیداد کا تہائی حصہ فلاں فلاں کام پر خرچ کیا جائے۔ اس کی یہ وصیت وارثوں کے لئے حکم ہی کی حیثیت رکھتی ہے جس کی تعمیل وہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد کریں گے۔ پس یہ کہنا قطعاً غلط اور لغو ہے کہ اطاعت صرف زندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشخاص ہی کی ہوا کرتی ہے۔

ثانیاً اگر اس لغوبات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اطاعت صرف زندہ اشخاص کی ہوا کرتی ہے تو بھی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا آپ کی دنیوی حیات طیبہ کے بعد (معاذ اللہ) غیر مؤثر ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ دین کے متعلق آپ نے جو اوامر ونواہی بھی جاری فرمائے ان میں آپ کی ذاتی صواب دید، مرضی اور خواہش کا کوئی دخل نہیں بل کہ آپ نے یہ اوامر ونواہی اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر جاری فرمائے تو یہ اوامر ونواہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جنہیں آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی اپنی سنتِ مبارکہ سے امت پر ظاہر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (۴/۷/ب) ''اور یہ (پیغمبر) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے''۔ آپ نے قرآن کریم کو ترتیب نزولی کی بہ جائے ترتیب توقیفی میں مرتب کرایا اور اس کی کتابت کروائی۔ حال آں کہ قرآن میں ایسا کوئی حکم آپ کے لئے موجود نہیں، پس یہ آپ نے غیر قرآنی وحی سے کیا۔ ورنہ متکلم کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے کلام کو مقدم ومؤخر کر دے تو اسے تحریفِ لفظی قرار دیا جائے گا۔ اس طرح کے شیطانی شبہات کے خلاف لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے اعلان کرایا: مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (۴/۷/ج) ''میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے''۔ پس آپ کے وفات پا جانے کا مطلب یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ بھی وفات پا چکا ہے۔ لہٰذا آپ کی زبانِ مبارک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن دینی احکام اور مضامین کا صدور ہوا وہ ہمیشہ مؤثر، نافذ العمل اور حجت (واجب التسلیم) رہیں گے۔

ثالثاً جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر ونواہی اور آپ کے بیان فرمودہ تمام دینی مسائل اور مضامین دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں، یعنی وحی پر مبنی ہیں تو آپؐ کے بعد جو بھی بدبخت ان میں تغیر وتبدل اور ترمیم وتنسیخ کریں گے تو وہ مورد وحی نہ ہونے کی بنا پر محض اپنی خواہش نفس کی پیروی کریں گے۔ ادھر قرآن کریم میں ہے: اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ (۵/۷/الف) ''تم اس کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے (اس پیغمبر کی وساطت سے) اتارا گیا ہے اور اس کو چھوڑ کر (من گھڑت) سرپستوں کی اتباع مت کرو''۔ دین کے متعلق جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور فرمایا ہے وہ قرآنی یا غیر قرآنی وحی پر مبنی ہے۔ آپ کی خواہشِ نفس کا اس میں دخل نہیں ہے۔ لہٰذا ما انزل اللہ (وحی) کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور معارضے میں دوسروں کو دین میں اپنا سرپرست بنا کر ان کی ذاتی خواہشات اور مرضیات کے پیچھے چلنا تو اللہ اور اس کے رسول سے کھلی بغاوت ہے۔ ایسے کسی نظام کو ''قرآنی نظام'' کا نام دینا پرلے درجے کی شرارت یا جہالت ہے۔ ایسا نظام تو دراصل ''شیطانی نظام'' ہے۔ پس وحی پر مبنی سنتِ رسول تا قیامت اسی طرح مؤثر اور نافذ العمل رہے گی، جیسے آپ کی دنیوی حیات طیبہ میں تھی۔

رابعاً سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اولین خطبۂ خلافت میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا تھا: اطیعونی مااطعت اللہ و رسولہ (۷۵/ب) ''تم میری اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں''۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دارِ فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دین میں آپ کے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی آپ کی سنتِ مبارکہ اور آپ کا اسوۂ حسنہ بھی (معاذ اللہ) آپ کے ساتھ ہی روضۂ مبارکہ میں مدفون ہو گیا اور دوسروں کو مادر پدر آزادی حاصل ہو گئی کہ وہ آپ کی سنت مبارکہ کو ٹھکرا کر اپنی نفسانی خواہشات اور مرضیات کو اس کا متبادل (Alternativne) ٹھہرالیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ''اللہ اور رسول'' سے ہرگز (پھر دہرایئے) ہرگز منکرین حدیث کا مفروضہ و مجوزہ ''مرکز ملت'' مراد نہیں ہوا کرتا۔ منکرین حدیث کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتِ مسلمہ کے پہلے مرکز ملت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے مرکز ملت تھے۔ اگر ''اللہ اور رسول'' سے مرکز ملت مراد ہوا کرے تو حضرت ابوبکرؓ کے مذکورہ بالا کلمات کا مفہوم یہ ہو گا کہ ''تم میری اطاعت کرو جب تک کہ میں (تمہارا مرکز ملت) مرکز ملت کی اطاعت کرتا رہوں'' اس مفہوم کا مہمل ہونا بالکل واضح ہے۔

۳۔ منکرین حدیث کا ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ رسول کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ رسول کے افعال و اعمال سے اپنے افعال اور اعمال کی مطابقت پیدا کی جائے۔ یعنی بقول ان کے اصل مقصود کتاب اللہ پر عمل ہے۔ حدیثِ رسول (معاذ اللہ) حجت نہیں ہے۔ بس یہی مطلوب و مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے دور میں کتاب اللہ پر عمل فرمایا اسی طرح صحابہ کرامؓ بھی عمل فرماتے تھے اور آپ کے انتقال کے بعد جو بھی امتِ مسلمہ کا حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) ہو گا وہ جس طرح کتاب اللہ پر عمل کے طریقے متعین کرے گا اور عمل کرے گا تو لوگ بھی اپنے اعمال میں اس کے عمل کی موافقت کریں گے یعنی اطاعت سے مراد صرف مطاوعتِ فعل ہے۔ یہ مغالطہ بھی بوجود باطل ہے:

اولاً اس طرح کی موافقتِ عمل اتباع (پیروی) میں تو ضرور پائی جاتی ہے۔ اطاعت (فرماں برداری) میں اس کا پایا جانا ضروری نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمیں اقامت صلوٰۃ، زکوٰۃ کی ادائیگی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رمضان کے روزے رکھنے اور بیت اللہ کا حج کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان احکام کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے لیکن اس اطاعت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقتِ فعل نہیں پائی جاتی ورنہ یہ بے ہودہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے اور بیت اللہ کا حج بھی کرتا ہے۔ اتباع (پیروی) میں چوں کہ موافقتِ فعل وعمل پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال واعمال کی موافقت نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس طرح کا مضمون قرآن کریم میں کبھی نہیں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اتباع کرو۔ جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے تو اتباع اچھے یا برے اشخاص کی بھی ہوتی ہے، اسی طرح معنویات یعنی اچھے یا برے خیالات وتصورات، صحیح یا غلط افکار ونظریات، جائز یا ناجائز خواہشات وشہوات کی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی کا نہیں بل کہ اطاعت کا بھی حکم ہے۔ آپ کی اتباع یہ ہے کہ اپنے افعال واعمال اور اپنی خواہشات ومرضیات کی آپ کے افعال واعمال اور آپ کی خواہشات ومرضیات سے مطابقت وموافقت اختیار کی جائے۔ آپ کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے اوامر ونواہی (احکام) کی تعمیل کی جائے۔ چوں کہ آپ کے اقوال وافعال آپ کی خواہش نفس پر مبنی نہیں بل کہ یہ وحی الٰہی پر مبنی ہیں، لہٰذا آپ کے اقوال وافعال یعنی آپ کی سنت کی اتباع تا قیامت لوگوں کے لئے مطلوب ومقصود ہے۔ آپ کے بعد کسی حاکم اعلیٰ یا کسی کی بھی اطاعت واتباع تب ہی درست ہوگی جب کہ اس کے اقوال وافعال کی آپ کی سنت سے موافقت ومطابقت ہو۔ نہ یہ کہ وہ آپ کی سنت کا منکر اور اس میں تغیر وتبدل کا خود کو یا دوسروں کو مجاز ومختار سمجھتا ہو۔ اتباع میں اطاعت بھی داخل ہے لیکن اطاعت کی ہر صورت کا اتباع میں پایا جانا ضروری نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی ہوتی ہے اور عبادت بھی، لیکن اتباع نہیں ہوتی۔ مخلوق کی حدودِ شرعیہ کے اندر اطاعت بھی ہوتی ہے اور اتباع بھی، لیکن عبادت ہرگز جائز نہیں۔ پیغمبر کی اطاعت غیر مشروط ہوتی ہے کیوں کہ وہ موردِ وحی اور معصوم عن الخطا ہوتا ہے لیکن پیغمبر کی اتباع غیر مشروط نہیں ہوتی۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سے زائد نکاح کئے یعنی آپ کے نکاح میں ایک ہی وقت میں چار سے زیادہ خواتین تھیں، نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا، آپ کے متروکہ مال میں وراثت نہیں چلتی، آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی کا نکاح نہیں ہوسکتا تھا، اس طرح کے امور میں پیغمبر کی اتباع درست نہیں۔ اطاعت واتباع کے درمیان اس لطیف فرق کو نہ پہچاننے یا عملاً اسے نظر انداز کرنے کی وجہ سے منکرین حدیث شبہات اور مغالطے پیدا کرتے ہیں۔

ثالثاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہو یا اتباع، یہ ان ہی امور میں تو ہوگی جو آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت مبارکہ اور اسوۂ حسنہ) سے امت پر ظاہر فرمائے ہیں۔ اور جن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعے قرآن کریم کے مجمل احکام ومضامین کی توضیح وتشریح اور قرآن پر زائد دینی جزئیات اور مسائل کا علم ہوتا ہے۔ بارہا بیان کیا جاچکا ہے کہ قرآن اور بیانِ قرآن دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور لوگوں پر تا قیامت حجت ہیں۔ لہٰذا منکرین حدیث کی تاویلاتِ فاسدہ سے حقائق ثابتہ تبدیل نہیں ہوتے۔

۴۔ کسی حکم کی تعمیل نہ کرنا اور بات ہے اور اسے حجت نہ سمجھنا یعنی حکم کو سرے سے حکم ہی نہ سمجھنا اور حاکم کی حاکمیت کو تسلیم ہی نہ کرنا اس سے بالکل مختلف دوسری بات ہے۔ بعض صورتوں میں اگر صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم پر کسی وجہ سے عمل نہ کیا یا وہ عمل نہ کر سکے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ دین میں آپ کے اقوال وافعال کو (معاذ اللہ) حجت ہی نہیں سمجھتے تھے۔

کسی حکم کی تعمیل نہ ہونے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں:

ا۔ عدم تعمیل کی وجہ کبھی یہ ہوتی ہے کہ صیغۂ امر سے دیا جانے والا حکم امرِ وجوبی نہیں ہوتا کہ اس کی تعمیل ضروری ہو بل کہ امرِ اباحت یا امر استحبابی ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے: وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (۵/ ۲ج) ''اور جب تم (حج اور عمرہ میں احرام کھول کر) حلال ہو جاؤ تو شکار کرلیا کرو''۔ یہ امرِ اباحت ہے کہ احرام کھولنے کے بعد شکار کھیلنا جائز ہے فرض یا واجب نہیں۔ یا مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے کہ خرید وفروخت اور ادھار کے معاملات لکھ لیا کرو۔ (۲/ ۲الف) یہ لکھنا مستحب اور بہتر ہے، فرض یا واجب نہیں۔

۲۔ عدم تعمیل کا سبب کبھی یہ ہوتا ہے کہ صیغۂ امر سے دیا جانے والا حکم امرِ اباحت یا امرِ استحبابی ہوتا ہے لیکن چوں کہ اس حکم کی تعمیل کسی اور فرض یا واجب کام میں خلل پیدا کر رہی ہوتی ہے، لہٰذا حکم شرعی کی حیثیت بدل جاتی ہے اور اس کی تعمیل شرعاً ناجائز ہوجاتی ہے۔ مثلاً اولاد پر والدین کا احترام اور انہیں ایذا نہ پہنچانا فرض ہے۔ والدین اولاد کو ازراہ شفقت کسی ایسے کام کا حکم دیں جس کی تعمیل میں یقین یا ظن غالب ہو کہ اس سے والدین کو تکلیف ہوگی تو اولاد کے لئے ایسے حکم کی تعمیل شرعاً حرام ہوگی۔ مثلاً بوڑھا اور مریض باپ پدری شفقت سے مجبور ہوکر اپنے بیٹے کے سر پر رکھے ہوئے یا ہاتھ میں پکڑے ہوئے کسی وزنی سامان کو دیکھ کر بیٹے کو یہ حکم دے کہ یہ سامان میرے سر پر رکھ دو یا میرے ہاتھ میں پکڑا دو تو بیٹے کے لئے ایسے حکم کی تعمیل ہرگز درست نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشفق اور مہربان کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ آپ نے اپنے مرضِ وفات میں امت پر بے پناہ شفقت سے مجبور ہوکر اپنے پاس بیٹھے صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کو حکم صادر فرمایا کہ کاغذ قلم لاؤ میں تمہیں ایسی چیز لکھا دوں کہ اس کے بعد امت کسی گمراہی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو چار نہ ہو۔ (۶/۷/ب) آپ کا یہ لکھانا آپ پر فرض واجب بل کہ مستحب بھی نہ تھا محض مباح تھا، کیوں کہ دین پہلے ہی کامل اور نعمت پہلے ہی پوری ہو چکی تھی اور یہ تحریر محض تاکید و تذکرے کے طور پر پہلے ہی بتائی گئی کسی بات کے اعادے اور تکرار کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ بہ لحاظ عمر آپ بڑھاپے کی منزل میں تھے اور ساتھ ہی شدید بیمار بھی تھے اور بیماری کے ضعف و نقاہت کے علاوہ آپ کو شدید درد بھی لاحق تھا۔ اس طرح کے حالات میں اگر بوڑھے اور مریض باپ کے کسی حکم کی تعمیل نہ کرنا (۱۔ضروری ہے تو بوڑھے اور بیمار پیغمبر حکم کی تعمیل نہ کرنا) تو بدرجہا زیادہ مطلوب و مقصود ہے۔ اسی لئے سیدنا حضرت عمرؓ نے اس موقع پر فرمایا کہ آپ کو شدید درد اور تکلیف ہے اس لئے کاغذ قلم نہ لانا اور آپ کو تکلیف سے دوچار نہ کرنا ہی مناسب ہے، حسبنا کتاب اللہ، ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اصحاب میں سے جن حضرات کا ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ان کی خطائے اجتہادی معاف ہے۔ البتہ اختلافِ رائے میں جب غیر شعوری طور پر شور ہونے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ اصلاح و تزکیہ سب کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا، تا کہ جن حضرات سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا ہے بعد میں لوگوں پر ان کی نام بہ نام تعیین نہ ہو سکے، اور وہ پوشیدہ رہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے غزوہ تبوک کے شدید اور سنگین خطرات میں بعض صحابہ کرامؓ بھی شروع شروع میں جہاد کے لئے تیاری میں تساہل سے کام لے رہے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سیدنا حضرت عمرؓ یا سیدنا علیؓ جیسے اکابر صحابہ بھی ان میں شامل تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لئے عتاب فرمایا تو خطاب کو عام رکھا اور یوں فرمایا کہ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو جاتا ہے کہ جب تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین میں گڑے جاتے ہو۔ (۶/۷/ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں پیش آنے والا یہ واقعہ، واقعۂ قرطاس کے نام سے مشہور ہے۔ جس سے منکرین حدیث یہ غلط اور فریب آمیز استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ حدیث رسول کو (معاذ اللہ) حجت نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو بھی ہوا میں اڑا دینے کے مجاز ہوتے کہ سب یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ اور ڈٹ کر بیٹھے رہتے۔ جس طرح حسبنا اللہ (اللہ ہمیں کافی ہے) کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں رسول کی ضرورت نہیں اسی طرح حسبنا کتاب اللہ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ہمیں سنت رسول اللہ کی حاجت نہیں۔ سنتِ رسول اللہ، کتاب اللہ ہی کی تو شرح ہے اور بہ لحاظ غرض و غایت اس سے الگ ہرگز نہیں ہے۔

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم سے تعمیل مطلوب نہیں ہوتی بل کہ حکم دینے والا اپنے مخاطب کا امتحان کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی ممتحن کسی طالب علم سے یہ کہے کہ نماز جنازہ میں جس طرح رکوع و سجود کیا جاتا ہے تم کر کے دکھاؤ۔ ظاہر ہے کہ اگر طالب علم کو یہ معلوم ہو کہ نماز جنازہ میں رکوع و سجود نہیں ہوتا تو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممتحن کے حکم کی تعمیل میں رکوع و سجود میں نہیں چلا جائے گا۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ واقعۂ قرطاس میں بھی صحابہ کرامؓ کا امتحان مقصود تھا کہ کون دین کو کامل سمجھتا ہے اور کون دین کو ابھی تک نامکمل سمجھتا ہوا کاغذ قلم لینے بھاگتا ہے۔ حضرت عمرؓ اور ان کا ساتھ دینے والے حضرات اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور حسبنا کتاب اللہ اس لئے کہا کہ کچھ ہی عرصہ پہلے حجۃ الوداع کے خطبات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر تم کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ اور اب بھی آپ نے ایسی تحریر لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا جس سے امت گمراہ نہ ہو۔ کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہی تو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ پر عمل فرما کر جو اسوۂ حسنہ لوگوں کے سامنے پیش فرمایا ہے، اس میں آپؐ کی اتباع کی جائے کیوں کہ کتاب اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کا تاکیدی حکم بارہا دیا گیا ہے۔ آپ کی سنت مبارکہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو کتاب اللہ سے الگ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ بے شک آپ ایک چلتا پھرتا قرآن تھے۔

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تعمیل کا ذمے دار حکم کو بھاری اور مشکل سمجھتے ہوئے حاکم سے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے رعایت اور نرمی کا طالب ہوتا ہے۔ مثلاً سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کے بارے میں مجادلہ کر رہی تھی اور اللہ سے اپنی مصیبت کی شکایت کر رہی تھی۔ یہ قصہ حضرت خولہؓ کا ہے جن کے خاوند نے ان سے ظہار کیا تھا مگر ظہار کے متعلق ابھی شرعی احکام نہیں آئے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق ہی کی ایک صورت سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے پرانے دستور کے مطابق حضرت خولہؓ کو خاوند سے علیحدہ ہو جانے کا حکم دیا تو وہ اپنی مصیبت پر پریشان ہو کر آپ سے بحث و مباحثہ اور مجادلہ کرنے لگیں اور اللہ سے اپنی تکلیف کی شکایت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے ظہار کے احکام نازل فرمائے لیکن حضرت خولہؓ کو کوئی ملامت نہیں فرمائی۔ اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہونے والا ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مجادلہ اور بحث و مباحثہ شروع کر دیا کہ ابھی قوم لوط پر عذاب نازل نہ کیا جائے۔ (۷۷/الف)

کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جسے حکم دیا گیا ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ حکم کی تعمیل اس کے بس کی بات نہیں۔ وہ خوف زدہ ہوتا ہے کہ اگر حکم کی تعمیل پر رضامندی ظاہر کر دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تعمیل نہ ہو سکے اور عدم تعمیل کے گناہ کے ساتھ ساتھ شرمندگی کا بھی سامنا کرنا پڑے۔ مثلاً سورۂ احزاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت [illegible]) انکار کر دیا اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس (بارِ امانت کو اٹھانے) سے ڈر گئے۔ (۷۷/ب) اور مثلاً غزوہ احزاب میں ایک نہایت تاریک اور سرد طوفانی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ کوئی جا کر ابوسفیان اور اس کے لشکر کی خبر معلوم کر کے مجھے بتائے لیکن کوئی بھی تعمیل کے لئے نہ اٹھا تو آپ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو نام زد فرما کر اس مہم پر بھیجا۔ (۷۷/ج)

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صیغۂ امر سے دیے جانے والے حکم کی حیثیت محض مشورے کی ہوتی ہے اور مخاطب اس مشورے کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ ''تو اپنی بیوی کو اپنے اوپر روکے رکھ اور اللہ سے ڈر'' (۷۷/د) لیکن بعد کے ناموافق حالات کے پیش نظر حضرت زیدؓ نے اپنی اہلیہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا لیکن حضرت زیدؓ کو گناہ گار نہیں ٹھہرایا گیا۔

کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ تعمیل کا ذمے دار تعمیل کو خلاف ادب سمجھتا ہے۔ مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ نے صلح نامے میں ''رسول اللہ'' کے کلمات پر اعتراض کیا تو صلح نامہ لکھنے والے صحابیٔ رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود لفظ ''رسول اللہ'' کاٹنے سے معذرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امی ہونے کے باوجود از راہ معجزہ یا حضرت علیؓ کی نشان دہی پر ان کلمات کو خود کاٹ دیا، کیوں کہ حقیقت کسی تحریر یا کسی کے اقرار یا انکار سے تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ واقعۂ قرطاس میں حضرت عمرؓ کی عدم تعمیل اور صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علیؓ کی عدم تعمیل کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان حضرات نے تعمیل کو خلاف ادب سمجھا۔

کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکم کے کلمات والفاظ بذات خود مقصود نہیں ہوتے بل کہ نظر اس مصلحت اور فائدے پر ہوتی ہے، جو اس حکم کا اصل منشا ہوتا ہے۔ اگر یہ مصلحت اور یہ فائدہ حکم کی تعمیل کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو تعمیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً غزوہ بنی نضیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود بعض حضرات نے یہودیوں کے باغات میں کھجور کے درخت نہیں کاٹے، کیوں کہ دوسرے جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے تھے اس سے یہودیوں کو مرعوب و مغلوب کرنے کا مقصد حاصل ہو چکا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا اصل منشا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر میں درخت کاٹنے اور نہ کاٹنے والوں دونوں کے فعل کی تصویب فرمائی۔ (۷۸/الف) اور درخت نہ کاٹنے والوں کو گناہ گار اور قصوروار نہیں ٹھہرایا۔ اور مثلاً غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہودیوں کے قلعے کا فوراً محاصرہ کیا جائے اور راستے میں کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے۔ لیکن بعض حضرات نے اس نیت سے جلدی جلدی نماز پڑھ لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کا محاصرہ کرنے میں غیر ضروری تاخیر نہ ہو، نماز سے روکنا اصل مقصد نہیں ہے۔ بعد میں آپؐ نے کسی بھی فریق کو کوئی ملامت نہیں فرمائی۔ (۸/۷ب) بل کہ ایسی بعض صورتوں میں عدم تعمیل واجب ہوتی ہے۔ مثلاً مقوقس شاہ مصر نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو بہ طور تحفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا تو ان کے ساتھ ان کا ایک چچازاد بھائی بھی بھیج دیا جس کا نام مابور تھا۔ چوں کہ سابقہ تعارف کے علاوہ یہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کا چچازاد بھائی بھی تھا اور شرعاً لونڈیوں کے سلسلے میں پردے کے احکام بھی زیادہ سخت نہ تھے، اس لئے یہ حضرت ماریہؓ کے ہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ منافقین کو تہمت لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا اور بات اس قدر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سن کر غصہ اور پریشانی لاحق ہوئی۔ آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ مابور کو قتل کر دیں۔ حضرت علیؓ نے مابور کو تلاش کیا۔ اسے قتل کرنا چاہتے ہی تھے کہ اتفاقاً مابور کی چادر کھل گئی تو پتہ چلا کہ وہ تو مردانہ صفات سے محروم وعاری ہے۔ چناں چہ آپ نے اسے قتل نہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ حاضر وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جو غائب نہیں دیکھ پاتا۔ اسی طرح حضرت علیؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خادمہ سے بدکاری کا فعل سرزد ہو گیا تو آپ نے حضرت علیؓ کو اس عورت کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ مگر حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ عورت حالتِ نفاس میں ہے اس لئے اس ڈر سے اسے کوڑے نہ لگائے کہ وہ کہیں مر ہی نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ سن کر فرمایا کہ اے علی، تو نے اچھا کیا۔ (۸/۷ج)

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم دینے والا تعمیل چاہتا ہی نہیں بل کہ وہ غصے اور ناراضی کا یا وعید اور تنبیہ کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر حالتِ غضب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔ جو لوگ سمجھ نہ سکے انھوں نے سوالات پوچھنا شروع کر دیے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ بات کی تہ تک پہنچ گئے اور انھوں نے لوگوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت عاجزی سے معذرت کی تو آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ (۹/۷ الف) یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی بزرگ اپنے کسی عزیز سے یہ کہے کہ اگر تم اپنے فلاں ارادے یا کام سے باز نہیں آتے تو میرے سر پر جوتے مار لو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے عزیز کو واقعی اپنے بزرگ کے سر پر جوتے مارنے کی اجازت مل گئی ہے۔ ایسے حکم کی تعمیل حرام ہے۔ اور مثلاً قرآن کریم میں ہے: "وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۹/۷ب)" اور جو چاہے کفر کرے"۔ دیکھئے یہاں "فَلْيَكْفُرْ" صیغہ فعل امر غائب ہے۔ لیکن اس قرآنی حکم کی تعمیل حرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جو شخص بار بار سمجھانے کے باوجود بھی کفر اور شرک کے خطرناک عواقب کو خاطر میں نہیں لاتا تو وہ کفر کر کے دیکھ ہی لے اور پھر اس کا مزہ بھی چکھے۔ (معاذ اللہ) آیت کے اس حصے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو شرعی اختیار دے دیا ہے کہ وہ کفر کرنا چاہیں تو کر لیں چناں چہ اگلا مضمون یہ ہے کہ ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تعمیل کا ذمے دار سمجھتا ہے کہ حاکم کے حکم کا بہتر متبادل موجود ہے اور وہ اسی متبادل صورت کا حاکم کو مشورہ دیتا ہے۔ مثلاً غزوہ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ بہ طور سفیر قریش مکہ کے پاس جائیں لیکن انھوں نے مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لئے حضرت عثمانؓ کو بھیجنا زیادہ مناسب ہوگا، کیوں کہ حضرت عثمانؓ اور قریش مکہ کے سردار ابو سفیان کا تعلق ایک ہی قبیلے یعنی بنو امیہ سے ہے۔ چناں چہ آپ نے حضرت عمرؓ کے اس صائب مشورے کو قبول کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ ہی کو قریش مکہ کے پاس بھیجا۔ (ج/۷۹)

کبھی کسی حکم کی تعمیل نہ کرنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکم کی حاکم کی طرف نسبت یقینی نہیں ہوتی یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حاکم نے واقعی یہ حکم دیا بھی ہے یا نہیں۔ یا کبھی حکم کا مطلب اور منشا سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے یا اس کے متعلق باہم اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے لیکن نیت ہر کسی کی نیک ہوتی ہے، لہٰذا کسی پر بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ واقعۂ قرطاس میں بھی اختلاف رائے کی یہی صورت پیش آئی تھی اس لئے کسی پر الزام نہیں ہے۔

کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ تعمیل کا ذمے دار اپنے طور پر یہ سمجھتا ہے کہ یہ حکم حاکم نے منسوخ کر دیا تھا یا اس کی جگہ کوئی اور حکم دیا تھا۔ یا حکم عام مخصوص عنہ البعض کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی حکم گو بہ ظاہر عام ہے، لیکن کچھ استثنائی صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً قرآن کریم میں احکام وراثت موجود ہیں لیکن حضرات انبیا علیہم السلام ان سے اس لئے مستثنیٰ ہیں کہ ان کے متروکہ مال میں وراثت نہیں چلا کرتی۔ اموال میں ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا، بل کہ ان کی وراثت علم میں ہوتی ہے جو کبھی حکم کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ کبھی یہ ہوتی ہے کہ تعمیل کا ذمے دار غفلت، تساہل اور لاپرواہی سے کام لیتا ہے مگر وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے اور حاکم کے حکم اور اس کی حاکمیت (اتھارٹی) کا انکار نہیں کرتا۔ مثلاً بہت سے مسلمان نماز روزہ اور دیگر شرعی احکام سے غافل ہیں۔ یہ فسق وفجور اور گناہ تو ہے لیکن کفر و بغاوت اور سرکشی نہیں۔

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تعمیل نہ کرنے والا حاکم کے حکم کو حجت (واجب التسلیم) ہی نہیں سمجھتا اور وہ حاکم کی حاکمیت (اتھارٹی) کو قبول [illegible] نہیں [illegible] تعمیل کی [illegible] صورت کفر و بغاوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔منکرین حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی اقوال وافعال یعنی آپ کی سنتِ مبارکہ کو سرے سے حجت (واجب التسلیم) ہی نہیں سمجھتے اور آپ کی رسالت کو صرف اس حد تک تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) محض ایک ڈاکیے، ایک قاصد اور ہرکارے کی حیثیت سے قرآن کریم لوگوں تک پہنچا دیا۔اس کے بعد ہم جانیں یا قرآن جانے ،ہمیں اب رسول کی (معاذ اللہ) کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔آپ اپنے زمانے کے ایک حاکم تھے۔اب ہمارے زمانے کا حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) اپنے ساتھیوں کی مدد سے قرآن کے مجمل مضامین واحکام کی کی خود تشریح کیا کرے گا اور قرآن پر زائد دینی مسائل واحکام خود گھڑ لیا کرے گا۔وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی غیر قرآنی وحی (وحی غیر کتاب) کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور یہ مانتے ہی نہیں کہ آپ نے قرآن کریم کے مجمل مضامین واحکام کی اور قرآن پر زائد دینی مسائل اور جزئیات کا تعین اپنی خواہش نفس اور صحابہ کرامؓ کے مشورے سے نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر کیا تھا۔یوں یہ منکرین حدیث قرآن پر ایمان کے جھوٹے دعوے کے پردے میں اللہ اور اس کی رسول کی حاکمیت کی برملا تکذیب کرتے ہوئے اس کو چیلنج کرتے ہیں۔عدم تسلیم کی بنا پر عدم تعمیل کی یہ صورت واقعی کفر و بغاوت ہے۔اہل اسلام کے تمام مکاتیب فکر کی جانب سے پرویزی منکرین حدیث پر کفر کا فتویٰ بالکل درست اور بجا ہے۔

عدم تعمیل کے اسباب کا احاطہ اور استیعاب یہاں مقصود نہیں لیکن عدم تعمیل کی مذکورہ بالا گوناگوں صورتوں سے یہ تو خوب واضح ہو چکا کہ ہر عدم تعمیل نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بل کہ بعض صورتوں میں یہ عدم تعمیل واجب ہوتی ہے اور تعمیل شرعاً حرام اور ناجائز ہوتی ہے اور کبھی یہ عدم تعمیل مستحب اور بہتر اور کبھی جائز اور مباح ہوتی ہے۔کسی حکم پر عمل نہ کرنا اور بات ہے، کیوں کہ عدم تعمیل کی متعدد وجوہ ہوسکتی ہیں لیکن کسی حکم کو حکم ہی نہ سمجھنا اور منکرین حدیث کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت و حاکمیت کو چیلنج کرنا اور عام حکام اعلیٰ کو آپ کے مقابل لاتے ہوئے شارح اور شارع قرار دینا بالکل اور بات ہے۔

اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا دھوکہ دینے کی غرض سے منکرین حدیث نے صحابہ کرامؓ کی طرف سے بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی ظاہری عدم تعمیل سے یہ غلط نتیجہ اخذ کیا کہ حدیث رسول (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سرے سے حجت ہی نہیں اور کچھ ظاہر بین حضرات ہر عدم تعمیل پر معترض ہوتے ہیں ،لہٰذا صحابہ کرامؓ کے خلاف اپنے دل میں بے بنیاد شبہات کو جگہ دیتے ہیں۔یہ دونوں صورتیں افراط و تفریط کی ہیں۔یہاں منکرین حدیث کے موقف میں جو دل چسپ تناقض و تعارض پایا جاتا ہے اس کی طرف بھی اشارہ [illegible] ''مرکز ملت'' کے تحت رسول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت مسلمہ کا پہلا مرکز ملت قرار دیتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ لوگوں پر آپ کی اطاعت اس لئے فرض و واجب نہیں تھی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بل کہ لوگ آپ کی اطاعت و فرماں برداری کے اس لئے مکلف و پابند تھے کہ آپ امت مسلمہ کے پہلے حاکم اعلیٰ اور پہلے مرکز ملت تھے۔ ان کے بہ قول رسول انفرادی سطح پر لوگوں سے اپنی اطاعت کرا ہی نہیں سکتا۔ یہاں بہ جا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہ طور مرکز ملت آپؐ نے جو اوامر و نواہی جاری فرمائے وہ صحابہ کرامؓ کے لئے حجت یعنی واجب التسلیم تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو آپ کو پہلا حاکم اعلیٰ اور پہلا مرکز ملت قرار دینے کا مقصد کیا ہوا؟ اگر آپ کے اوامر و نواہی صحابہ کرامؓ کے لئے حجت نہیں تھے تو کیا یہ فرشتوں کے لئے حجت تھے؟ اگر آپ کے اوامر و نواہی صحابہ کرام کے لئے حجت تھے تو بعض مواقع پر اگر کسی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے آپ کے کسی حکم کی تعمیل نہیں کی تو اس سے منکرین حدیث کا یہ استدلال کیسے درست ہوا کہ حدیث رسول صحابہ کرامؓ کے لئے بھی حجت نہیں تھی۔ یعنی کبھی تو منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ دور نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی صحابہ کرامؓ کے لئے حجت تھے اور کبھی وہ یہ ثابت کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی آپ کے اوامر و نواہی کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ کلام میں اس طرح کا تضاد و اختلاف ان منکرین حدیث کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے بہ جائے خود کافی ہے۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی اقوال، افعال اور تقریرات یعنی سنتِ رسول دراصل قرآن کریم ہی کی قولی یا فعلی تشریح و تبیین ہے خواہ آپ اپنے کسی قول یا فعل میں قرآن کریم کی کسی خاص آیت یا خاص کلمے کا حوالہ نہ بھی دیں۔ بعض مواقع پر آپ نے قرآن کریم کی کسی خاص آیت یا خاص مضمون کے حوالے سے کچھ فرمایا تو محدثین کرام نے آپ کے ایسے اقوال یعنی احادیث کو ''تفسیر'' کے عنوان کے تحت اپنی مؤلفات میں جگہ دی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کتب حدیث میں باقی عنوانات کے تحت جو احادیث لائی گئی ہیں ان سے تفسیر قرآن مقصود نہیں ہے۔ مزید برآں احادیث کی یہ عنوان بندی محدثین نے اپنی اپنی تالیفات میں اپنے اجتہاد اور اپنی رائے سے کی ہے۔ یہ عنوان بندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی کہ یہ غلط استدلال کیا جائے کہ اگر سب احادیث رسول سے تفسیر قرآن مقصود ہوتی تو کتب حدیث میں ''تفسیر'' کا عنوان الگ قائم نہ کیا جاتا۔ مثلاً طہارت، وضوء، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق، بیوع (خرید و فروخت) وغیرہ وغیرہ کے عنوانات کے تحت جو احادیث کتب حدیث میں لائی گئی ہیں یا جو تفاصیل کتب فقہ میں بیان کی گئی ہیں ان سے مقصود قرآن کریم کے مجمل مضامین و احکام اور قرآن پر [illegible] کی تشریح [illegible] ہے لہٰذا اس سلسلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں منکرین حدیث کا اعتراض باطل ہے۔

د: اطاعت اور عبادت کی غلط تعبیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے اعراض اور انحراف کی شیطانی راہ ہموار کرنے کے لئے منکرین حدیث طرح طرح کی تاویلاتِ فاسدہ تراشتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کسی نبی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے اس لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا گیا کہ آپ کو لوگوں کے متنازع امور کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنے ہیں: فاحکم بینھم بما انزل اللہ (تم ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو) منکرین حدیث اپنے استدلال میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں: ماکان بشر ان یوئتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دزن اللہ ولکن کونوا رباً نبین الآیۃ. اس کا وہ غلط ترجمہ یہ کرتے ہیں ''کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب اور حکومت اور نبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری محکومی اختیار کرو اسے یہی کہنا چاہیے کہ تم سب ربّانی بن جاؤ''۔ اور مثلاً سورہ یوسف کی ایک آیت کے جز: اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ (۸۰/ الف) کا غلط ترجمہ وہ یہ کرتے ہیں ''اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی محکومی اختیار نہ کرو''۔ منکرین حدیث کے فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے یہاں متعدد امور توجہ طلب ہیں:۔

۱۔ منکرین حدیث کا قرآن کریم پر یہ صریح بہتان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کسی نبی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ حال آں کہ قرآن کریم میں تو یہ ہے کہ (مثلاً) حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اپنی اطاعت کا یوں حکم دیا تھا: فاتقواللہ واطیعون (۸۰/ ب) ''سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔ سورہ النساء میں ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (۸۰/ ج) ''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے تو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ رسول اور نبی لوگوں سے اپنی اطاعت کرا ہی نہیں سکتا۔ پیغمبر کی اطاعت دراصل بالواسطہ اللہ ہی کی اطاعت ہے کیوں کہ وہ اپنی خواہشات ومرضیات کی نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر لوگوں پر اوامر ونواہی (احکام) جاری کرتا ہے اور ان سے اپنی اطاعت کراتا ہے اور وہ خود بھی ان احکام پر عمل کر کے لوگوں کے لئے نمونۂ عمل بنتا ہے۔ منکرین حدیث کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اللہ کا پیغمبر دینی مسائل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے گھڑ لیتا ہے اور پھر لوگوں کو ان پر عمل کرانے کے لئے اپنی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کرنا تو کھلا شرک ہے اور شارع حقیقی (اللہ تعالیٰ) سے کھلی بغاوت ہے۔ منکرین حدیث اپنے ہر (مفروضہ و مجوزہ) مرکز ملت (حاکم اعلیٰ) کو بھی اس کا مکمل مجاز و مختار سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ منتخب افراد کے مشورے سے دینی احکام و جزئیات گھڑ سکتا ہے اور وحی پر مبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ مسائل اور احکام میں تغیر و تبدل اور ترمیم و تنسیخ کر سکتا ہے۔ منکرین حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت بے باکی سے توہین کرتے ہوئے یہ تو کہتے رہتے ہیں کہ ''کسی نبی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے'' لیکن انہیں اس طرح کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی حاکمِ اعلیٰ اور کسی مرکز ملت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت اور محکومی کرائے۔ رسول کی اطاعت سے وہ کھلا انکار کرتے ہیں اور نام نہاد مرکز ملت کے دین میں خود ساختہ احکام کی اطاعت اور محکومی کو لوگوں کے لئے فرضِ عین قرار دیتے ہیں۔ غلام احمد پرویز نے لکھا ہے'' ...... تاہم اگر یہ قرآنی حکومت ان مسلمہ جزئیات (یعنی نمازوں کی تعداد، رکعات کی تعداد، اوقاتِ نماز اور ترکیب نماز) میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی'' (۸۱/ الف) یہ مشرکانہ اطاعت اور محکومی تو منکرین حدیث کو بسر و چشم قبول ہے لیکن اگر اللہ کا رسول اپنی رسالت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحیِ قرآنی و غیر قرآنی (وحیِ کتاب اور وحیِ غیر کتاب) اوامر و نواہی (احکام) حاصل کر کے امت سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے تو وہ اس بہانے سے بغاوت اور سرکشی پر اتر آتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کسی نبی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی جس اطاعت کا حکم خود دے رکھا ہے اور اس طرح کی جو اطاعت دراصل بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت اور محکومی ہے، وہ تو ان منکرین حدیث کو پسند نہیں اور مخلوق کی جس اطاعت اور محکومی کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے اور اس طرح کی جو اطاعت دراصل ابلیس لعین کی اطاعت اور محکومی ہے تو ایسی اطاعت اور محکومی پر وہ فوراً کمربستہ اور آمادہ نظر آتے ہیں۔ ساء ما یحکمون

۲۔ عبادت کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی کو انتہائی تعظیم کا مستحق سمجھتے ہوئے اس کے سامنے انتہائی ذلت و عاجزی، خاکساری و نیازمندی کا اظہار کیا جائے۔ چوں کہ انتہائی عزت و احترام اور تعظیم و تکریم کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خالقِ کائنات اور رب العالمین ہے، لہٰذا اس کے سوا کسی اور کی عبادت یا اس کے ساتھ کسی بھی مخلوق کی عبادت کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی شریعت میں ہرگز ہرگز جائز نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ ہی انتہائی تعظیم و تکریم کا مستحق اس لئے ہے کہ وہ اس پوری کائنات کا حقیقی خالق، مالک، رازق،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروردگار اور مدبّر ومنتظم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان صفات میں یکتا اور لاشریک سمجھنا توحید ربوبیت کہلاتا ہے۔ اس توحید کو مشرکین بھی عموماً تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً سورہ یونس میں ہے کہ اگر ان مشرکین سے پوچھا جائے کہ ''تمہیں آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے، تمہارے کانوں، آنکھوں کا مالک کون ہے، بے جان سے جان دار اور جان دار سے بے جان چیزوں کو کون پیدا کرتا ہے، دنیا کے کاموں کا کون انتظام کرتا ہے تو وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ ہی یہ سب کام کرتا ہے''۔ (۸۱/ ب) اور مثلاً سورہ زمر میں ہے کہ ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ ہی خالق ہے'' (۸۱/ ج) اور مثلاً سورۂ مومنون میں ہے کہ ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے یہ سب کس کا ہے، ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے، ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی اور پناہ دینے والا نہیں تو وہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے'' (۸۲/ الف)

اللہ تعالیٰ ہی انتہائی تعظیم وتکریم کا اس لئے بھی مستحق ہے کہ وہی قادر مطلق، مختار کل اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ وہی مسبب الاسباب ہے۔ اس نے جو اسباب اور مسببات مخلوق کے اختیار میں رکھے ہیں اور جو نہیں رکھے، سب کا خالق وہی ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ سب تعریف اسی کے لئے ہے، وہ تمام کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے، وہ انتہائی بلند وبرتر ہے۔ پوری کائنات اس کے سامنے عاجز ہے۔ جب انتہائی تعظیم وتکریم کا وہی مستحق ہے تو وہی اس لائق ہے کہ اس کے سامنے انتہائی عاجزی اور نیازمندی کا اس طرح اظہار کیا جائے کہ دل میں اس کی محبت ہو اور اس کے رحم وکرم اور مہربانیوں کی امید ہو، اور ساتھ ہی اس کی قدرت وعظمت اور سطوت وجبروت کے پیش نظر اس کے مواخذے، اس کی گرفت اور عذاب کا خوف بھی ہو۔ یہی عبادت ہے اور عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھنا توحیدِ الوہیت ہے اور توحید کے منکر مشرکین کا سارا جھگڑا بکھیڑا اکثر وبیشتر اسی توحیدِ الوہیت میں ہے۔

ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو جو فقہی اصطلاح میں عبادات کہا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہی عبادات ہیں بل کہ کسی مخصوص ہستی کو عالم الغیب، حاضر وناظر، مختار مطلق، قادر مطلق اور کارساز سمجھتے ہوئے اس سے مافوق الاسباب امور (غیر اختیاری یا امور غیر عادیہ مثلاً اولاد کی طلب، عمر اور رزق میں برکت وغیرہ) میں دعا اور التجا کرنا خود ذاتی طور پر اسے ان صفات کا مالک سمجھا جائے یا یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ صفات [illegible] کے نام پر جانور ذبح کرنا، اس کے نام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نذر و نیاز دینا، خیرات کرنا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا، اس کے سامنے جھکنا اور سر کو زمین پر رکھنا (رکوع و سجود کرنا)، اس کے لئے طواف کرنا، اسے شارع حقیقی سمجھنا کہ قوانین فطرت ہوں یا قوانین شریعت ہوں اسی نے بنائے ہیں یا وہ بنانے کا مجاز و مختار ہے (اور کسی کے خود ساختہ اور من گھڑت فیصلوں، مسائل، جزئیات اور احکام کو خدائی فیصلے سمجھنا جیسے نصاریٰ اپنے پاپاؤں اور پادریوں کو اور جیسے منکرین حدیث اپنے (مجوزہ و مفروضہ) مرکز ملت کو شارع قرار دیتے ہیں)، وغیرہ یہ سب عبادات ہیں۔ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے سوا یا اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت شرک ہے، جس پر اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے۔ پس عقائد کا تعلق اعتقادی عبادات سے ہے اور اعمال کا تعلق بدنی اور مالی عبادات سے ہے۔ مثلاً نماز اور روزہ بدنی عبادات ہیں، زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج مالی اور بدنی دونوں طرح کی عبادت ہے۔

کسی کی اطاعت کا معنیٰ اس کے اوامر و نواہی (احکام) پر عمل کرنا ہے۔ عبادت میں اطاعت بھی داخل ہے جب کہ معبود محلِ اطاعت بھی ہو۔ مشرکین بعض ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کو کوئی حکم جاری نہیں کر سکتیں، مثلاً سورج، چاند، کواکب، شجر و حُجر وغیرہ مناظر فطرت کی عبادت میں اطاعت اس لئے شامل نہیں کہ یہ مناظر فطرت کسی کو کوئی اوامر و نواہی (احکام) جاری نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر معبود محلِ اطاعت بھی ہو اور وہ اپنی عبادت کرنے والے کے لئے اوامر و نواہی جاری کر سکتا ہو تو عبادت کرنے والا لازماً اپنے معبود کے اوامر و نواہی کو بھی قبول کرے گا اور اس کی تعمیل پر بھی وہ بسا اوقات آمادہ ہوگا۔ اس لئے سیاقِ کلام کے اعتبار سے بعض اوقات عبادت کا معنیٰ اطاعت اور محکومی کا بھی آتا ہے۔ مثلاً سورہ یٰسین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت انسانوں سے پوچھیں گے: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ O (۸۲/ب) ''اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے یہ قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی اطاعت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔ سورۂ مومن میں فرعون اور آلِ فرعون کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ O (۸۲/ج) ''وہ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں (موسیٰ اور ہارون) پر ایمان لے آئیں حال آں کہ ان دونوں کی قوم ہماری محکوم (غلام) ہے''۔ تاہم عبادت اور اطاعت میں متعدد حیثیتوں سے بڑا فرق بھی ہے۔ چناں چہ ہر عبادت میں اطاعت اور محکومی کا پایا جانا ضروری نہیں جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ مناظر فطرت سورج، چاند، ستاروں و سیاروں، شجر و حجر وغیرہ کی عبادت میں اطاعت داخل نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ مناظر فطرت کسی کو کوئی حکم جاری نہیں کر سکتے [illegible] ہر اطاعت کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبادت نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً اُمّتی رسول اور نبی کی، اولاد والدین کی، بیوی خاوند کی، شاگرد استاد کی، رعایا حکومت کی، مرید اپنے شیخ کی، مریض طبیب کی، ماتحت ملازم اپنے افسر کی، خادم وغلام اپنے آقا کی جائز اطاعت ومحکومی کرتا ہے تو اسے عبادت نہیں کہا جاسکتا۔ ناجائز اور غیر شرعی اطاعت کو اگر اطاعت کرنے والا سرے سے گناہ ہی نہ سمجھتا ہو تو یا تو وہ اپنے حاکم ومُطاع کو یا اپنے نفسِ امّارہ کو معبود ٹھہرا رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو شارع حقیقی مانتے ہوئے دینی امور ومسائل میں بشرح صدر اس کی اطاعت کرنا دراصل اس کی عبادت کرنا ہی ہے گو بہ ظاہر یہ بدنی عبادت نہیں مگر اعتقادی، وفکری عبادت ہے) اطاعت، محکومی اور غلامی اپنی مرضی اور دل کی خوشی سے بھی ہوتی ہے اور کبھی مجبوراً ہوتی ہے لیکن عبادت کرنے والا اپنے معبود کی عبادت شوق ورغبت اور محبت والفت سے کرتا ہے۔ مزید برآں عبادت اللہ کے سوا کسی بھی مخلوق کی کبھی بھی جائز نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کو ہی معبودِ حقیقی کہا جاتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کسی طرح کی بھی درست نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا مشرکین جس مخلوق کی بھی عبادت کرتے ہیں تو وہ ان کے معبودانِ باطلہ ہیں۔ عبادت کے برعکس مخلوق کی اطاعت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حاکم اور مُطاعِ حقیقی اس معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہم مخلوق کی اطاعت کرتے ہیں تو اسی کے حکم کی تعمیل میں یا اسی کی دی ہوئی اجازت سے کرتے ہیں لہٰذا مخلوق کی یہ اطاعت اور محکومی بالواسطہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ومحکومی ہے۔ پیغمبر چوں کہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی خطا اور نسیان پر قائم رہنے دیتا ہی نہیں اس لئے اللہ کے حکم سے پیغمبر کی اطاعت ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے۔ دیگر مخلوق کی اطاعت اس شرط سے مشروط اور اس قید سے مقید ہوگی کہ اس کی اطاعت اور محکومی میں اللہ اور اس کے رسول کے دیئے ہوئے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ یعنی خلافِ شریعت کاموں میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوگی۔

۳۔ عبادت واطاعت کے اس نمایاں فرق کا لازمی تقاضا اور عقلِ سلیم کا بدیہی فیصلہ ہے کہ عبادت کو اطاعت اور محکومی کے معنیٰ میں لینا وہیں درست ہوگا جہاں سیاقِ کلام سے کسی خاص موقع ومحل پر اس کی تائید ہوتی ہو ورنہ عبادت کو بندگی اور عبد کو بندے کے معنیٰ میں ہی لینا ہوگا: اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (۸۳/ الف) کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اس (اللہ) نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت (بندگی) نہ کرو''۔ یہاں یہ ترجمہ درست نہیں کہ ''تم اس کے سوا کسی اور کی محکومی نہ کرو''۔ کیوں کہ بعض صورتوں میں اپنی مخلوق مثلاً اپنے رسول کی غیر مشروط اطاعت اور محکومی کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے۔ اللہ کا پیغمبر اپنی امت سے یہ مطالبہ [illegible] ۔ مثلاً بعض انبیا علیہم السلام کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق قرآن کریم میں ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی امتوں سے یہ مطالبہ کیا تھا: فاتقو اللہ و اطیعون۔ ''سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔ لیکن کسی بھی پیغمبر نے کبھی بھی کسی سے یہ نہیں کہا کہ تم میری عبادت کرو۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں یوں بیان فرمایا ہے: مَاکَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (۸۳/ب) ''کسی انسان کے یہ شایان شان نہیں کہ اللہ اسے کتاب، فہم وحکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے (میری بندگی اور عبادت کرنے والے) ہو جاؤ کیوں کہ تم (اللہ کی) کتاب میں یہی پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ اور وہ تم کو یہ حکم بھی نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو، کیا وہ تم کو تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کافر ہو جانے کا حکم دینے لگ جائے گا؟''۔ مذکورہ بالا آیات میں منکرین حدیث کا یہ ترجمہ درست نہیں کہ ''کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب اور حکومت اور نبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری محکومی اختیار کرو......''۔ یہاں ایک تو آیت میں لفظ ''حکم'' کا معنیٰ ''حکومت'' نہیں بل کہ پیغمبرانہ ''حکمت وفہم'' ہے، یہاں ترجمہ ''حکومت'' کرنا اس لئے غلط ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو دنیوی حکومت نہیں ملی تھی۔ مثلاً حضرت زکریاؑ اور ان کے صاحب زادے حضرت یحییٰؑ صاحبِ حکومت نہیں تھے۔ دوسرے اگر یہاں حکومت کا مطلب یہ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی ہونے کی حیثیت سے لوگوں پر یوں حکومت دی ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں تو ذرا سوچئے کہ جو صاحبِ حکومت ہوگا تو لوگ لازماً اس کے محکوم ہوں گے۔ جو مُطاع ہوگا لوگ لازماً اس کی اطاعت کریں گے اور اس کے مطیع ومحکوم ہوں گے۔ تو وہ لوگوں سے یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم میرے محکوم نہ بنو۔ لہٰذا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کا کوئی نبی لوگوں سے یہ نہیں کہے گا کہ تم میرے بندے ہو جاؤ کہ اللہ کو چھوڑ کر میری بندگی اور عبادت کرنے لگو۔ عبد عبادت عابد معبود سب کا ایک ہی مادہ ''ع ب د'' ہے۔ یعنی ہر نبی لوگوں سے یہ تو ضرور کہے گا کہ تم اللہ کے حکم کے مطابق میری اطاعت کرو لیکن وہ یہ کبھی نہیں کہے گا کہ تم میری عبادت کرو۔ مخلوق کی عبادت کا اللہ نے کسی کو حکم نہیں دیا اور مخلوق کی عبادت کی اس نے کسی کو کبھی اجازت نہیں دی بل کہ اسے شرک قرار دے کر ناقابلِ معافی جرم ٹھہرایا اگر کسی کی موت اس شرک پر واقع ہو جائے۔ اس کے عین برعکس اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور نبیوں کی اطاعت کا تاکیدی حکم خود دیا ہے تو اللہ کا رسول اور نبی اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے مُطاع اور [illegible] انھیں لوگوں پر حاکم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُطاع بنائے تو اللہ کا کوئی پیغمبر کی (اے یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم میری) اطاعت اور محکومی نہ کرو۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے کھلا اور برملا اعلان فرمایا ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (۸۳/ ج) ''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے تو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔ اگر کسی انسان کی محکومی اختیار نہیں کی جاسکتی تو منکرین حدیث بتائیں کہ ان کے مفروضہ مرکز ملت اور حاکم اعلیٰ کی حکومت انسانوں پر نہیں تو کیا گوڑھوں اور گدھوں پر ہوگی؟ جب یہ نام نہاد مرکز ملت لوگوں پر حاکم اعلیٰ ہوگا تو کیا لوگ اس کی محکومی اختیار نہیں کریں گے؟ اگر وہ اپنے کسی مرکزِ ملت کی مشرکانہ حاکمیت اور اس کے لئے اپنی مشرکانہ اطاعت اور محکومی کو جائز ہی نہیں بل کہ ضروری سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اگر امت پر حاکم ومُطاع بنایا ہے تو آپ کی اطاعت ومحکومی اختیار کرنے میں انہیں موت کیوں نظر آتی ہے؟ اور وہ متعلقہ قرآنی آیات کے غلط ترجمے اور قرآن کریم کی معنوی تحریف پر اس قدر اصرار کیوں کرتے ہیں؟

۴۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو حکومت وحاکمیت اچھے لوگوں کو بھی عطا فرماتا ہے اور بُروں کو بھی۔ حضرت سلیمٰن علیہ السلام نے دعا مانگی: رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَهَبۡ لِیۡ مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝ (۸۴/ الف) ''اے میرے رب! تو مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے سوا کسی اور کے لائق نہ ہو، بے شک تو بڑا ہی عطا فرمانے والا ہے''۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ ساتھ شان دار دنیوی حکومت بھی عطا فرمائی۔ تو آپ نے جن لوگوں پر حکومت کی وہ آپ کے محکوم ہی تھے اور انھوں نے آپ کی اطاعت اور محکومی ہی اختیار کی تھی، تو کوئی نبی لوگوں سے یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم میری محکومی اختیار نہ کرو۔ وہ یہی کہے گا کہ اللہ کی بھی اطاعت کرو اور اس کے حکم کے مطابق میری بھی اطاعت کرو کیوں کہ جب تم اللہ کے حکم سے میری اطاعت کرو گے تو تمہاری طرف سے میری یہ اطاعت بالواسط اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ لیکن وہ یہ کبھی نہیں کہے گا کہ میری عبادت کرو۔ اللہ کی عبادت بالواسطہ کبھی نہیں ہوسکتی کہ پیغمبر کی یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کو اللہ کی بالواسطہ عبادت کہا جائے۔ ہاں صرف اس معنیٰ میں اللہ کی عبادت کو بالواسطہ عبادت کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر نے موردِ وحی ہونے کی بنا پر اللہ کی عبادت کا جو طریقہ بتایا ہے اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے اللہ کی کوئی عبادت کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔

نمرود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ (۸۴/ ب) ''کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا (یہ جھگڑا اس نے اس لئے کیا) کہ اللہ نے اسے حکومت دی تھی''۔ نمرود کو جب اللہ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت دی تو جن لوگوں پر وہ مشرکانہ حکومت کر رہا تھا جو لوگ اس کی مشرکانہ اطاعت کر رہے تھے تو انھوں نے اس کی محکومی ہی تو اختیار کر رکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حاکم مشرکانہ حکومت اختیار نہ کرے اور لوگ اس کی مشرکانہ محکومی نہ کریں تو ایسے حاکم کی محکومی اختیار کرنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے اور بعض صورتوں میں ایسی حاکمیت اور محکومی کو اس نے جائز اور مباح قرار دیا ہے، یعنی ایسے کاموں میں مخلوق کی اطاعت درست ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ اس کے برعکس پورے قرآن میں ہرگز اس طرح کا کوئی مضمون نہیں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے فلاں کو الوہیت (معبود ہونے کی صفت) عطا فرمائی اور ہرگز اس طرح کا مضمون نہیں ملے گا کہ کسی پیغمبر فرشتے یا ولی وغیرہ نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا مانگی ہو کہ اے اللہ! مجھے الوہیت عطا فرما، مجھے الٰہ (معبود) بنا دے۔ حکومت وحاکمیت اور معبودیت والوہیت اسی طرح بندگی وعبادت اور محکومی واطاعت میں اس فرق کو شعوری یا غیر شعوری طور پر نظرانداز کر کے منکرینِ حدیث خود بھی گم راہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گم راہ کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

(۵) دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں پر اپنے حکم سے اس معنیٰ میں مُطاع اور حاکم بنایا ہے اور لوگوں کو آپ کا مطیع اور محکوم بنایا ہے کہ آپ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے اوامر ونواہی (احکام) کو ہی جاری فرماتے ہیں اور خود بھی ان پر عمل کر کے اپنا اسوۂ حسنہ وپیش فرماتے ہیں، اس لئے آپ کی اطاعت ومحکومی بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ومحکومی ہے۔ کیوں کہ وہی حقیقی مُطاع اور وہی حقیقی حاکم ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (۸۴/ ج) اس کے عین برعکس مثلاً منکرینِ حدیث ہی کو لیا جائے جب ان کا (مفروضہ ومجوزہ) مرکزِ ملت یا حاکم اعلیٰ از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے دینی مسائل اور جزئیات گھڑے گا تو اوامر ونواہی ان کی اطاعت کو ہرگز بالواسطہ اللہ کی اطاعت نہیں کہا جا سکتا یہ تو سراسر غیر اللہ کی اطاعت ہے اور ایسی اطاعت بلاشبہ شرک ہے حیرت ہے کہ اس اطاعت ومحکومی کو تو منکرینِ حدیث نہایت شرح صدر سے قبول کرتے اور اسے فرض عین قرار دیتے ہیں اور سنتِ رسول پر عمل پیرا ہونے کو جو دراصل بالواسطہ اللہ کی اطاعت ہے، بہانے بہانے سے ٹھکراتے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، فصلِ خصومات، صلح وجنگ، امن وخوف وغیرہ تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تعلیم اور آپ کے تمام اوامر ونواہی اور آپ کے تمام فیصلے وحیِ الٰہی پر مبنی ہیں خواہ یہ وحی قرآنی ہو یا غیر قرآنی۔ قرآن کریم کے مجمل مضامین واحکام کو کما حقہ سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ممکن [illegible] تک [illegible] قرآن [illegible] اللہ تعالیٰ خود [illegible] مجمل کلام [illegible] وضاحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ فرمائے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اس بیان قرآن (قرآن کی تشریح وتوضیح) کا اپنے رسول سے بہ جا طور پر وعدہ فرمایا ثم انّ علینا بیانہ (۸۴/د) ''پھر ہمارے ذمے ہی (قرآن) کا بیان ہے''۔ اب مثلاً نمازوں کی رکعات کی تعداد، نماز پڑھنے کا شروع سے آخر تک پورا طریقہ قرآن میں نہیں تو لازماً اور یقیناً آپ کو یہ وحیِ غیر قرآنی کے ذریعے بتایا گیا اور اس وحی غیر قرآنی کے مطابق آپ کے فیصلے اور اوامر ونواہی بھی قرآنی وحی کے ہی تابع ہوگئے۔ کیوں کہ یہ غیر قرآنی وحی، قرآن کریم ہی کی تو تشریح وتوضیح ہے۔ لیکن اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کہ آپ پر صرف قرآنی وحی نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے اندازِ کلام اس طرح اختیار فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! تو لوگوں کے درمیان ماانزل اللہ (جو اللہ نے وحی اتاری) کے مطابق فیصلہ کر۔ یہ انداز اختیار نہیں فرمایا کہ تو قرآن کے مطابق فیصلہ کر، تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر۔ اس لئے ماانزل اللہ کی پیروی کرنے کا صحیح مطلب اور ترجمہ یہ ہے کہ تو اس کی پیروی کر، تو اس کے مطابق فیصلہ کر جو ''اللہ نے اتارا ہے''۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں کہ تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر۔ وحی کی مختلف نوعیتیں اور مختلف اقسام ہیں۔ آپ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا نزول بھی بہ کثرت ہوا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراتی وحی کے علاوہ غیر توراتی وحی کا نزول بھی بہ کثرت ہوتا رہا خصوصاً نزول تورات سے سال ہا سال پہلے تک فرعون سے کش مکش کے ایام میں آپ پر غیر توراتی وحی کا ہی نزول ہوتا رہا۔ اس لئے قرآن کریم میں ماانزل اللہ سے قرآن مراد لینا تب ہی درست ہوسکتا ہے کہ اس سے بیان قرآن کو الگ نہ کیا جائے اور غیر قرآنی وحی کا انکار نہ کیا جائے جو قرآن ہی کی تشریح وتوضیح کا کام دیتی ہے اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنتِ مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے امت پر ظاہر فرمایا ہے پس آپ کی سنتِ مبارکہ کو بیان کرنے والی احادیث صحیحہ امت پر حجت ہیں وھو المطلوب۔

حوالے

۱۔ (الف) القیامۃ: ۱۶۔۱۹ (ب) البقرہ۔۹۷ (ج) الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۴

۲۔ (الف) الشوریٰ۔۵۱ (ب) المائدہ: ۴۴۔۴۵، ۴۷ (ج) المائدہ۔۴۹

۳۔ (الف) آل عمران۔۱۵۹ (ب) الشوری۔۲۱ (ج) التوبۃ۔۳۱

۴۔ (الف) الانعام۔۵۰، یونس۔۱۵، الاحقاف۔۹ (ب) البقرہ۔۱۲۹، آل عمران۔۱۶۴، الجمعۃ۔۲ (ج) الانعام۔۱۱۴

۵۔ (الف) النحل۔۴۴ (ب) النحل۔۶۴ (ج) الفاتحۃ: ۶۔۷

۶۔ (الف) النساء۔۶۹ (ب) البقرہ۔۳۷ (ج) الاعراف۔۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ (الف) الاحزاب۔۵۳ (ب) محمد اسلم جیراجپوری/ مقام حدیث ص ۶۹ (ج) ایضاً ص ۲۴۲

۸۔ (الف) غلام احمد پرویز/ قرآنی فیصلے ص ۱۲۶ (ب) ایضاً (ج) منکرین حدیث کا مجلّہ طلوع اسلام جنوری ۱۹۵۲ء ص ۳۲۔......

۹۔ (الف) محمد اسلم جیراجپوری/ طلوع اسلام دسمبر ۱۹۵۰ء ص ۲۳ (ب) مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲ بہ حوالہ دار قطنی (ج) الانعام۔۳۸

۱۰۔ (الف) العنکبوت: ۵۰۔۵۱ (ب) النحل۔۸۹ (ج) النمل۔۲۳

۱۱۔ (الف) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۳۲، حدیث رقم ۶۷۰۲ للترمذی عن ابن عباسؓ (ب) ابن عبد البر جامع۔ بیان العلم: ج ۲، ص ۱۲۳ (ج) شاطبی۔ الموافقات ج ۴، ص ۷

۱۲۔ (الف) فصلت۔۴۲ (ب) محمد صبیح ایڈووکیٹ۔ طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء (ج) الانعام۔۱۴۵

۱۳۔ (الف) جمع الفوائد ۱/ ۴۰۰، حدیث رقم ۳۹۲۵ للنسائی وابی داؤد عن خالد بنؓ الولید (ب) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹ رواہ ابوداؤد وروواہ الداری نحوہ وکذا ابن ماجہ الی قولہ کیا حرم اللہ (ج) ابن عبد البر۔ جامع بیان العلم ۲/ ۱۶۱

۱۴۔ (الف) الانعام۔۸۲ (ب) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۶۶، حدیث رقم ۶۹۴۹ للشیخین والترمذی عن ابن مسعودؓ (ج) البقرہ۔۱۸۷

۱۵۔ (الف) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۴۴، حدیث رقم ۶۷۹۰ للستۃ الاّ مالکاً عن عدیؓ بن حاتم (ب) التوبۃ۔۳۱ (ج) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۷۲، حدیث رقم ۶۹۹۴ للترمذی عن عدیؓ بن حاتم

۱۶۔ (الف) التوبۃ۔۳۴ (ب) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۷۳، حدیث رقم ۶۹۹۶ لابی داؤد من ابن عباسؓ (ج) البقرہ۔۱۴۳

۱۷۔ (الف) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۴۲، حدیث رقم ۶۷۸۶ للترمذی والبخاری بلفظہ عن ابی سعیدؓ (ب) النساء۔۱۲۳ (ج) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۶۰، حدیث رقم ۶۹۱۱ لمسلم والترمذی عن ابی ہریرۃؓ وحدیث رقم ۶۹۱۲ للترمذی عن ابی بکر الصدیقؓ

۱۸۔ (الف) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۴۲۹، حدیث رقم ۴۲۱۳ للستۃ عن ابی ہریرۃؓ (ب) البقرہ۔۲۷۹ (ج) النساء۔۲۹

۱۹۔ (الف) ابوداؤد: الطہارۃ: ص ۳۲۳، ۳۳۴، مسند احمد: ج ۴، ص ۲۰۳ (ب) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۵۰۶، حدیث رقم ۴۹۲۳ لابی داؤد والترمذی عن معاذؓ بن جبل (ج) المنافقون: ۷۔۸

۲۰۔ (الف) بخاری، تفسیر سورہ المنافقون (ب) البقرہ: ۵۸۔۵۹ (ج) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۴۱، حدیث رقم ۶۷۷۷ للشیخین والترمذی

۲۱۔ (الف) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۴۰۰، حدیث رقم ۳۹۲۵ للنسائی وابی داؤد عن خالدؓ بن الولید (ب) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۵۹۲، حدیث رقم ۵۶۷۴ لابی داؤد والنسائی عن علیؓ (ج) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۱۲۔۱۳، احادیث رقم ۳۲۔۳۵ عن ابن عمرؓ

۲۲۔ (الف) الانعام: ۱۵۱، ۱۵۳، بنی اسرائیل: ۲۳۔۳۹ (ب) غلام احمد پرویز: معارف القرآن ۲/ ۶۲۵۔۶۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۳۔ (الف) ایضاً ۴/۶۹۲ (ب) غلام احمد پرویز/ معراج انسانیت ص ۶۲۵۔۶۲۶ (ج) محمد اسلم جیراجپوری/ مقام حدیث ص ۱۳۰ (د) پرویز/ معراج انسانیت ص ۶۳۱

۲۴۔ (الف) القیامۃ۔۱۹ (ب) النجم: ۳۔۴ (ج) طٰہٰ: ۱۳۔۱۴

۲۵۔ (الف) الشوریٰ۔۲۱ (ب) البقرہ۔۹۷ (ج) الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۴

۲۶۔ (الف) محمد اسلم جیراجپوری/ مقام حدیث ص ۷۹ (ب) ایضاً ص ۲۴۲ (ج) غلام احمد پرویز/ معارف القرآن ۴/۶۹۲

۲۷۔ (الف) البقرہ۔۲۳۹ (ب) الشوریٰ۔۵۱ (ج) حدیث دل گداز ے مصنفہ محمد علی خان بلوچ ص ۳۰ (آئینہ پرویزیت ص ۲۴۸ طبع اکتوبر ۱۹۸۷ء، مکتبہ السلام وسن پورہ، گلی نمبر ۲۰، لاہور)

۲۸۔ (الف) محمد اسلم جیراجپوری/ مقام حدیث ص ۱۳۰ (ب) غلام احمد پرویز/ معارف القرآن ۴/۶۸۶ (ج) ایضاً

۲۹۔ (الف) ایضاً (ب) ڈاکٹر عبدالودود/ طلوع اسلام جون ۱۹۵۹ء (ج) غلام احمد پرویز/ سلیم کے نام چودھواں خط ص ۲۳۱

۳۰۔ (الف) ڈاکٹر عبدالودود/ طلوع اسلام جون ۱۹۵۹ء (ب) غلام احمد پرویز/ معراج انسانیت ص ۶۳۱ (ج) ڈاکٹر عبدالودود/ طلوع اسلام جولائی ۱۹۶۳ء

۳۱۔ (الف) غلام احمد پرویز/ فردوس گم گشتہ ص ۳۸۳ (ب) پرویز/ سلیم کے نام سولھواں خط ص ۲۶۴ (ج) الشعراء: ۱۰۷۔۱۰۸، ۱۲۵۔۱۲۶، ۱۴۳۔۱۴۴، ۱۶۲۔۱۶۳، ۱۷۸۔۱۷۹

۳۲۔ (الف) النجم: ۳۔۴ (ب) یونس۔۱۵ (ج) النساء ۸۰

۳۳۔ (الف) النساء۔۶۴ (ب) التوبۃ۔۳۱ (ج) الانعام۔۱۲۴

۳۴۔ (الف) الفتح۔۲۸ (ب) النجم: ۳۔۴ (ج) النساء ۶۵

۳۵۔ (الف) الاحزاب۔۳۶ (ب) البیہقی/ السنن الکبریٰ مع جواھر النقی ۱۰/ ۱۳۶ کتاب آداب القاضی تحت باب انصاف الخصمین، ابن کثیر/ البدایۃ والنھایۃ جلد ۸ ص ۵ تحت فی ذکر شیٔ من سیرتہ العادلۃ (ج) لقیامۃ۔۱۹

۳۶۔ (الف) النحل۔۴۴ (ب) النحل۔۶۴ (ج) الاعراف۔۱۵۷

۳۷۔ (الف) الشوریٰ۔۲۱ (ب) التوبۃ۔۳۱ (ج) المائدہ۔۳

۳۸۔ (الف) الاحزاب۔۲۱ (ب) الجاثیۃ۔۱۸ (ج) طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۲۶

۳۹۔ (الف) المائدہ ۶۷ (ب) الجمعۃ۔۲ (ج) النساء۔۸۰

۴۰۔ (الف) محمد۔۳۳ (ب) النور۔۵۶ (ج) الانعام۔۱۴

۴۱۔ (الف) آل عمران: ۳۱۔۳۲ (ب) النور۔۶۳ (ج) الحجرات۔۲

۴۲۔ (الف) الاحزاب۔۶ (ب) الاحزاب۔۵۶ (ج) غلام احمد پرویز/ قرآنی فیصلے ص ۱۴

۴۳۔ (الف) المائدہ۔۱۰۹ (ب) الزمر۔۶۹ (ج) النساء۔۵۹

۴۴۔ (الف) القصص۔۶۸ (ب) البقرہ۔۱۳۶ (ج) آل عمران۔۱۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۵۔ (الف) القیامۃ ۔۱۹ (ب) البقرہ ۔۹۷ (ج) الشوریٰ ۔۵۱

۴۶۔ (الف) النجم: ۳۔۴ (ب) الانعام ۔۵۰، یونس ۔۱۵، الاحقاف ۔۹ (ج): المائدہ: ۴۸

۴۷۔ (الف) الاعراف: ۱۵۰ (ب) پرویز/ معارف القرآن ۴/ ۶۸۲ (ج) ایضاً ۴/ ۶۹۲

۴۸۔ (الف) القیامۃ: ۱۹ (ب) التوبۃ: ۳۱ (ج) الشوریٰ: ۲۱

۴۹۔ (الف) مولانا محمد تقی عثمانی/ علوم القرآن ص ۳۶۸ حاشیہ، مکتبہ دار العلوم ۔ کراچی، طبع ششم ۱۴۰۶ ہجری، بہ حوالہ مقالہ ''پوپ'' انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا ۱۸/ ۲۲۲۔۲۲۳، ومقالہ ''Infallibility'' ایضاً ص ۲۲۳ (ب) حزقی ایل ۱۴: ۹ (ج) یرمیاہ ۶: ۱۳

۵۰۔ (الف) ڈاکٹر عبدالودود ۔ طلوع اسلام جولائی ۱۹۶۳ء (ب) طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۲۶ (ج) ڈاکٹر عبدالودود ۔ طلوع اسلام جون ۱۹۵۹ء

۵۱۔ (الف) انجیل متی ۵: ۱۷، ۱۹۔۲۰، انجیل لوقا ۲: ۲۱۔۲۴ (ب) غلام احمد پرویز ۔ قرآنی فیصلے ص ۱۴، پرویز ۔ طلوع اسلام جون ۱۹۵۰ء ص ۴۷ (ج) محمد صبیح ایڈووکیٹ ۔ طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء

۵۲۔ (الف) عباد اللہ اختر ۔ طلوع اسلام اگست ۱۹۵۰ء ص ۵۸ (ب) پرویز ۔ طلوع اسلام ۱۹۵۲ء ص ۷ (ج) محمد اسلم جیراجپوری ۔ طلوع اسلام دسمبر ۱۹۵۰ء ص ۱۷

۵۳۔ (الف) پرویز ۔ طلوع اسلام ۔ جولائی ۱۹۵۰ء ص ۴۹، محمد اسلم جیراجپوری ۔ طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص ۴۳ (ب) غلام احمد پرویز ۔ قرآنی نظام ربوبیت ص ۲۵ (ج) پرویز ۔ نظام ربوبیت ص ۱۶۰، سلیم کے نام تیرہواں خط ص ۲۰۹

۵۴۔ (الف) النساء ۔۱۰۳ (ب) البقرہ ۔۶۱ (ج) طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۲۶

۵۵۔ (الف) النساء ۶۵ (ب) النساء ۔۴۲ (ج) النساء ۔۱۱۵

۵۶۔ (الف) النور ۔۶۳ (ب) الفرقان ۔۲۷ (ج) الحجرات ۔۲

۵۷۔ (الف) الاحزاب ۔۵۶ (ب) الاحزاب ۔۶ (ج) پرویز/ سلیم کے نام سترہواں خط ص ۳۰۷

۵۸۔ (الف) غلام احمد پرویز ۔ قرآنی نظام ابوبیت مقدمہ ص ۲۴ (ب) ایضاً ص ۲۲۸۔۲۲۹

۵۹۔ •(الف) پرویز ۔ قرآنی نظام ربوبیت ص ۸۸ (ب) البقرہ: ۲۔۳ (ج) پرویز ۔ قرآنی فیصلے ص ۱۰۳

۶۰۔ (الف) پرویز ۔ قرآنی فیصلے ص ۲۶۰۔۲۶۱ (ب) پرویز ۔ قرآنی نظام ربوبیت ص ۱۰۷ (ج) ایضاً مقدمہ ص ۲۴

۶۱۔ (الف) الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۳۹، روحانی خزائن: ج ۲۲، ص ۶۶۰ (ب) چشمہ معرفت ص ۸۲۔۸۳، روحانی خزائن: ج ۲۳، ص ۹۰۔۹۱ (ج) پرویز ۔ سلیم کے نام سترہواں خط ص ۳۰۷

۶۲۔ (الف) تحفہ قیصریہ ص ۱۵، روحانی خزائن: ج ۱۵، ص ۱۲۰ (ب) النساء ۔۸۰ (ج) النساء ۶۴

۶۳۔ (الف) النساء ۵۹ (ب) مشکوٰۃ المصابیح حدیث رقم ۳۲۹۶ (ج) مسلم، کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ حدیث رقم ۱۸۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۴۔ (الف) بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام لم تکن معصیۃ (ب) النساء ۶۱ (ج) النور۔۵۴

۶۵۔ (الف) المزمل۔۲۰ (ب) المائدہ۔۹۲ (ج) النور۔۵۴

۶۶۔ (الف) التغابن۔۱۲ (ب) محمد۔۳۳ (ج) النور۔۵۴

۶۷۔ (الف) النور۔۵۴ (ب) آل عمران۔۵۰، الشعراء: ۱۰۶۔۱۰۷، ۱۲۵۔۱۲۶، ۱۴۳۔۱۴۴، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۷۸، ۱۷۹ (ج) النساء ۶۵

۶۸۔ (الف) النساء۔۴۲ (ب) الشعراء ۲۱۶ (ج) النساء۔۱۱۵

۶۹۔ (الف) النور۔۶۳ (ب) الفرقان۔۲۷ (ج) المجادلۃ۔۹

۷۰۔ (الف) الحاقۃ۔۱۵ (ب) المزمل۔۱۶ (ج) النساء۔۱۶۵

۷۱۔ (الف) الاحزاب۔۳۶ (ب) الاحزاب۔۶ (ج) الاحزاب۔۲۱

۷۲۔ (الف) الحجرات۔۲ (ب) الاحزاب۔۵۷ (ج) الانعام۔۹۳

۷۳۔ (الف) الاعراف۔۳ (ب) القیامۃ۔۱۹ (ج) البقرہ۔۹۷

۷۴۔ (الف) الشوریٰ۔۵۱ (ب) النجم: ۳۔۴ (ج) یونس۔۱۵

۷۵۔ (الف) الاعراف۔۳ (ب) سیرۃ ابن ہشام ۳/۴۷۳ (ج) المائدہ۔۲

۷۶۔ (الف) البقرہ۔۲۸۲ (ب) صحیح بخاری: ج ۱ ص ۲۲، ۴۲۹، ۴۴۹، ج ۲ ص ۶۳۸ (ج) التوبۃ۔۳۸

۷۷۔ (الف) ھود۔۴۷ (ب) الاحزاب۔۳۷ (ج) البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر ۴/۱۱۵، دارالحدیث القاھرہ (مصر) الطبقۃ الاولیٰ ۱۴۱۳ ہجری/۱۹۹۲ میلادی

۷۸۔ (الف) الحشر۔۵ (ب) ابن کثیر/ البدایۃ والنھایۃ ۴/۱۱۸۔۱۱۹ بحوالہ مسلم وبیہقی (ج) الحاکم/ مستدرک ۴/۲۹، مسلم ۲/۱۷

۷۹۔ (الف) ابن کثیر/تفسیر القرآن ۲/۱۰۵، تفسیر سورہ المائدہ آیت یایھاالذین امنو لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم الأیۃ (ب) الکہف۔۲۹ (ج) ابن کثیر/البدایۃ والنھایۃ: ج ۴ ص ۱۶۸

۸۰۔ (الف) یوسف۔۴۰ (ب) بمطابق حاشیہ نمبر ۶۷ جزو ب (ج) النساء ۶۴

۸۱۔ (الف) غلام احمد پرویز۔ قرآنی فیصلے ص ۱۴، طلوع اسلام جون، ۱۹۰ء ص ۴۷ (ب) یونس۔۳۱ (ج) الزمر۔۳۸

۸۲۔ (الف) المومنون: ۸۴۔۸۹ (ب) یٰس۔۶۰ (ج) المومنون۔۴۷

۸۳۔ (الف) یوسف۔۴۰ (ب) آل عمران: ۷۹۔۸۰ (ج) النساء۔۶۴

۸۴۔ (الف) صٓ۔۳۵ (ب) البقرہ۔۲۵۸ (ج) یوسف۔۴۰ (د) القیامۃ۔۱۹

© rasailojaraid.com